ماہنامہ
الرُشد
لاہور

جون 1999

اللہ
رسول
محمد

ماہنامہ

المرشد

لاہور

مدیر
چوہدری محمد اسلم

جلد نمبر 20 صفر/ ربیع الاول 1420ھ بمطابق جون 1999ء شمارہ نمبر 11

اس شمارے میں

1	اداریہ	محمد اسلم	3
2	احترام نبوت	امیر محمد اکرم اعوان	4
3	برکات صحبت پیامبر	امیر محمد اکرم اعوان	8
4	مولانا! آپ عوام سے دور کیوں ہیں؟	رؤف ظفر	12
5	مجلس ذکر	پروفیسر حافظ عبدالرزاق	17
6	اسلامی قانون کے ماخذ	ڈاکٹر لیاقت علی خاں نیازی	20
7	صلح و اصلاح میں ہے ملت بیضا کی فلاح	عبدالعزیز خالد	24
8	کلام شیخ --- اللہ اللہ	سیماب اویسی	27
9	بازگشت	امیر محمد اکرم اعوان	28
10	صرف آٹھ باتیں	خواجہ عابد نظامی	34
11	مومن اور کافر میں فرق	امیر محمد اکرم اعوان	36
12	سوالات و جوابات	امیر محمد اکرم اعوان	39
13	امراض جلد اور علاج نبویؐ	ڈاکٹر خالد غزنوی	43
14	باپ کی بیٹی	اردشیر کاؤس جی	50
15	انسان کی تخلیق کا مقصد	امیر محمد اکرم اعوان	52
16	اللہ مولانا و مولاھم	امیر محمد اکرم اعوان	55
17	شیروں کے کچھار میں	امیر محمد اکرم اعوان	58
18	توبہ اور اس کی حقیقت	امیر محمد اکرم اعوان	63

رابطہ آفس:- کمرہ نمبر 8- سیکنڈ فلور، ریکس سٹی متیانہ روڈ فیصل آباد- فون 732254، فیکس 727002

ناشر- پروفیسر حافظ عبدالرزاق

انتخاب جدید پریس لاہور- 6314365

پتہ- ماہنامہ المرشد، اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور- فون 5180467

اداریہ تحریک نفاذ اسلام۔ اسلامی نظام کا پہلا مثبت قدم

ایک اخباری اطلاع کے مطابق نفاذ اسلام کی داعی ایک بڑی جماعت تنظیم الاخوان نے ڈاکٹر اسرار احمد کی جانب سے ہم خیال جماعتوں پر مشتمل نفاذ اسلام تحریک میں شمولیت کا فیصلہ کر لیا۔ اس بات کا فیصلہ مینارہ میں تنظیم الاخوان کے امیر اکرم اعوان کی صدارت میں منعقد ہونے والے مرکزی شوریٰ کے اجلاس میں کیا گیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے تجویز پیش کی تھی کہ ایسی معروف دینی جماعتوں پر مشتمل ایک اتحاد بنایا جائے جو ملک میں نفاذ اسلام کے لئے کام کر رہی ہیں اور اس سلسلے میں الیکشن میں حصہ لینے پر یقین نہیں رکھتیں۔ تنظیم الاخوان ڈاکٹر اسرار احمد کی تجویز پر لبیک کہنے والی پہلی دینی جماعت ثابت ہوئی ہے۔ امیر الاخوان اکرم اعوان طویل عرصے سے حکمرانوں کو ملک میں نفاذ اسلام کی دعوت دے رہے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ انہیں حکمرانی سے کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ہی وہ الیکشن لڑنا چاہتے ہیں صرف ملک میں اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں۔ اس نکتہ نظر کی حامل بعض دیگر جماعتیں بھی ملک میں موجود ہیں تاہم تنظیم الاخوان کا انداز سب سے جارحانہ ہے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ملک کی اکثر سیاسی و مذہبی جماعتیں ملک میں نظام کی تبدیلی کی بات کرتی ہیں لیکن اس کے لئے وہ موجودہ نظام کے ذریعے پہلے تو حکومت حاصل کرنے اور پھر حکمران بن کر اسلام نافذ کرنے کے فارمولے کی قائل ہیں یہ جماعتیں گزشتہ 51 سالوں سے اپنے اس فارمولے کو آزما رہی ہیں لیکن اس میں انہیں کبھی بھی کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ نظام کے تحت وہی حکمران بن سکتا ہے جو اس نظام کے سرپرستوں کو اپنی ان سے اور ان کے نظام سے وفاداری ثابت کر دیتا ہے پھر اسے حکمران بنانے کے لئے اس نظام کے سرپرست تمام تر حربے درست یا غلط آزماتے ہیں اور اسے کامیاب کروا دیتے ہیں۔ گزشتہ 51 سالہ تجربہ ہمیں یہی بتاتا ہے کہ ملک میں اسلام کا نفاذ انقلاب کی صورت میں ہی ممکن ہے اور انقلاب برپا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جہادی جذبے کی حامل تمام تنظیموں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے اور مل کر حصول پاکستان کے لئے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا جائے۔ ڈاکٹر اسرار کی تجویز پر لبیک کہتے ہوئے تنظیم الاخوان نے اپنے مقصد سے لگن اور خلوص کا ثبوت دے دیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ملک میں اور کون کون ہے جو اس جذبے سے سرشار ہے کسی بڑے مقصد کی خاطر اپنے فروعی اختلافات اور تعصبات کو قربان کرنا بھی جہاد ہے اور ہمیں سب سے پہلے اسی جہاد کی ضرورت ہے۔

احترام نبوت

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

فاعوذ باالله من الشیطن الرجیم○ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم○ وقالت امرات فرعون قرت عین لی و لکٗ لا تقتلوہ عسٰی ان ینفعنا او نتخذہ ولدا وھم لایشعرون○

ترجمہ! "اور فرعون کی بی بی نے کہا یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ بے خبر تھے"

انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام کی ذوات مقدسہ جو ہوتی ہیں وہ باب رحمت کی حیثیت رکھتی ہیں اللہ کی رحمت۔ بخشش اور کرم کو پانے کا راستہ ہوتی ہیں اور جہاں تک امام الانبیاء آقائے نامدار ﷺ کا تعلق ہے۔ تو آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ذات کائنات کے لئے اللہ کی رحمت مجسم ہیں یہ آیت کریمہ بیسویں پارے کی سورۃ القصص کی آیت ہے۔

یہ وہ لمحہ بیان فرمارہی ہے۔ جب موسیٰ علی نبینا علیہ الصلواۃ والسلام کو ان کی والدہ محترمہ نے دریا میں ڈال دیا اللہ کے حکم کے مطابق تو دریا کی جو شاخ یا جو نہر محلات شاہی کو جاتی تھی بکس اس میں چلا گیا اب اللہ کریم کے اپنے کام ہیں اور اس کے اپنے پروگرام ہیں جسے دنیا اتفاق کہتی ہے اس کے ہاں وہ طے شدہ بات ہوتی ہے۔ انسانی مزاج کے مطابق اتفاق یہ ہوا کہ فرعون اور اس کی اہلیہ کنارہ دریا بیٹھے تھے انہوں نے بکس آتے دیکھا انہوں نے پکڑوا لیا کھولا تو اس میں بچہ تھا۔ فرعون نے چھوٹتے ہی کہا کہ چونکہ بنی اسرائیل کے بچے قتل کئے جارہے ہیں تو یہ کسی اسرائیلی نے اس ڈر سے دریا میں ڈال دیا ہوگا۔ لہٰذا اسے قتل کر دیا جائے اس وقت وقالت امرات فرعون۔ فرعون کی اہلیہ نے اس وقت یہ بات کہی کتنا خوبصورت بچہ ہے۔ اسے دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک اتر آئی ہے یہ میرے لئے بھی اور تمہارے لئے بھی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ہماری اولاد نہیں ہے لاولد ہیں۔ اللہ نے ہمیں اتنا خوبصورت' روشن چہرے والا بچہ بھیج دیا ہے۔ لاتقتلوہ اسے قتل مت کرو۔ اب وہ اس لئے نہیں کہہ رہی تھی کہ یہ اللہ کا نبی ہے نہ اسے اس بات کی خبر تھی نہ موسیٰ علیہ السلام نبی مبعوث ہوئے تھے۔ نبی اگرچہ تخلیقی طور پر نبی ہوتا ہے لیکن لوگ تو تب مکلف ہوتے ہیں اسے نبی ماننے کے جب وہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے جب وہ مبعوث ہوتا ہے۔ جب وہ اعلان کرتا ہے۔ فرعون کی بی بی نے اگر کہا تو عورت کی فطرت سے مجبور ہو کر کہا۔ خاتون تھی۔ لاولد تھی' اس کی اولاد نہیں تھی ننھا ننھا بچہ اسے فطری طور پر بڑا پیارا لگا۔ اس نے کہا اسے قتل مت کرو ہو سکتا ہے ہمارے لئے کوئی اس میں بہتری ہو عسٰی ان ینفعنا اس سے ہمیں کوئی نفع پہنچے۔ یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں گے۔ اور فرمایا وھم لایشعرون اور وہ نہیں جانتے تھے کہ جسے وہ پناہ دینا چاہ رہی ہے وہ اپنی قوم کے لئے اللہ کی طرف سے پناہ دینے والا ہے ان کی پناہ کا محتاج نہیں ہے وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ کتنی عظیم شخصیت ہے یہ اللہ کا اولوالعزم رسول ہے اسے اللہ سے شرف ہمکلامی نصیب ہو گا۔ یہ بہت بڑے انقلاب کا داعی ہوگا' بانی ہو گا' انقلاب برپا کرنے والا ہو گا۔ بھئی یہ ساری باتیں اس کے ذہن میں نہیں تھیں لیکن ایک فطری سی محبت جو کسی بھی خاتون کو بچہ دیکھ کر ہوتی ہے پھر خصوصاً" جب اس کی اولاد نہ ہو تو ننھا منھا بچہ دیکھ کر اس کے دل میں آتی ہے۔ فرعون کے دل میں شفقت نہیں آئی اس نے قتل کا حکم دیا۔

خاتون کے دل میں شفقت پیدا ہوئی موسیٰ علیہ السلام کیلئے۔ نہ یہ مسلمان تھی نہ موسیٰ علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا لیکن وہ خلوص کے ساتھ جو شفقت پیدا ہوئی' محبت پیدا ہوئی نبی کی' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام نبی مبعوث ہوئے فرعون نے انکار کر دیا اور فرعون کی اہلیہ کو ایمان نصیب ہوا۔ وہ جو رشتہ تھا خلوص کا نبی کے ساتھ اگرچہ نہ نبی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور نہ اسے علم تھا کہ یہ اللہ کا نبی ہے۔ اللہ کو وہ ادا بھی پسند آئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے نور ایمان عطا کر دیا اور جب وہ مسلمان ہوئی تو مقابلہ بڑے زوروں پر تھا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون کا اور اسے پتہ چلا کہ گھر میری ملکہ جو ہے۔ اس نے ایمان قبول کر لیا ہے تو وہ بڑا سیخ پا ہوا کہ پھر میں رعیت کے لوگوں کو اور دوسرے لوگوں کو کیسے روک سکوں گا جب بیوی باز نہیں آئی تو اس نے بڑا سخت حکم دیا کہ اسے جکڑ دیا جائے زنجیروں میں اور گرم لوہے سے داغا جائے اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور اس کی آنکھوں میں گرم لوہا ڈالا جائے تو قرآن کریم دوسری جگہ اس کا تذکرہ فرماتا ہے۔ جب فرعون اور اہل فرعون نے اور اس کے خدام نے یہ سختی شروع کی تو انہوں نے اللہ سے بات کی اور بڑی بے تکلفی سے عرض گزار ہوئی۔ اے اللہ میرا جنت میں گھر بنا اور اپنے پاس بنا۔ اور میں عورت ہوں کمزور ہوں۔ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکے گا مجھے فرعون اور اس کی سزاؤں سے چھڑا بھی لے ونجنی من فرعون ونجنی من القوم الظلمین۔ مجھے ان ظالموں کی دسترس سے محفوظ بھی فرما۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میرے ہاتھ پاؤں کاٹیں یا گرم لوہے سے داغیں اور میں اس پہ ڈٹی رہوں عورت ذات ہوں اور مجھ سے یہ برداشت نہ ہو سکے گا۔ بجائے اس کے کہ میں چیخوں پکاروں اور مجھے بے آبرو کریں۔ مجھے ان سے چھڑا لے اور میرے لئے گھر بنا جو جنت میں ہو۔ تیرے قریب تر ہو۔ اتنا پختہ ایمان اللہ پر۔ اتنا پختہ ایمان آخرت پر۔ اتنا پختہ یقین جنت پر۔ تو تعلیم و تربیت تو کہیں نہیں

پائی۔ کتاب پڑھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس بیٹھنے کا موقعہ تو نہیں ملا کہ کوئی تعلیمات پائیں۔ موسیٰ نے اعلان فرمایا انہوں نے قبول کر لیا تو یہ کیسے ہوا؟ یہ برکات قلب نبوی سے طالب کے قلب کو سفر کر جاتی ہیں یہ دلوں سے دلوں میں مترشح ہوتی ہیں۔ وہ جو شفقت بھرا لمحہ موسیٰ علیہ السلام کیلئے اس کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے قلب موسوی کو اتنا متوجہ کر دیا کہ اس کا دل بھی تعلیمات نبوی سے لبریز ہو گیا اور اسے اللہ پر' آخرت پر' عذاب وثواب پر بن دیکھے یقین ہو گیا پر یہ تو مزہ تب ہے کہ فرعون جیسا کوئی سلطان ہو وہ کسی کو قتل کرنے کا یا اس کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا' گرم لوہے سے داغنے کا حکم دے اور پھر وہ بجائے فرعون کو پکارنے کے اللہ سے بات کرے اور مزے سے کرے۔ سکون سے کرے اور یہ بھی نہ کہے کہ مجھے اس سے چھڑا کر کہیں بھگا لے جا بلکہ مزے سے کہے کہ میں دنیا میں کیا لوں گا مجھے جنت میں لے چل خوبصورت سا گھر دے' اور اپنے قریب دے اور اس سزا سے پہلے مجھے اٹھا لے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ انہیں اللہ نے مشاہدہ کروا دیا جنت میں ان کے مقام کا اور فرعون کے سزا دینے سے پہلے ان کی روح قبض فرمالی اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ملتا ہے کہ جب فرعون نے آپ کا معجزہ دیکھا لاٹھی کے اژدھا بننے کا تو اس نے کہا مصر تو بھرا ہوا ہے' جادوگروں سے اور یہ کام کہ لاٹھی سے یا لکڑی سی اژدھا بن جائے یہ میرے جادوگر بھی کر لیں گے۔ آپ ہمارے ساتھ کوئی دن مقرر کر لیں تو دیکھیں گے۔ دن مقرر ہو گیا اس نے پورے ملک میں اپنے قاصد دوڑائے جادوگروں کو بلوایا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے اژدے تو ہم سینکڑوں بنا لیں گے لیکن ان لنا لاجرا ان کنا نحن الغلبین اگر ہم غالب آ گئے تو ہمارے لئے خصوصی انعام ہو گا یہ معمولی کام نہیں ہے کہ جس نے فرعون جیسے بادشاہ کو مصیبت میں ڈال دیا ہے تو فرعون نے کہا بھئی انعام کی کیا انکم لمن المقربین میں تو تمہارے لئے دربار میں جگہ بنا دوں گا تم میرے مقربین خاص میں سے ہو گے۔ تمہاری اپنی ایک وزارت بناؤں گا۔ تمہارے لئے دربار میں کرسی ہو گی' جب مقابلے میں آئے تو چونکہ نبی تو مانتے نہیں تھے' نبی مانتے تو مقابلے میں نہ آتے لیکن ایک پیشہ ورانہ احترام بھی ہوتا ہے۔ یہ بات، ان کے دل میں تھی کہ اگر جادوگر بھی ہے تو پائے کا جادوگر ہے ایسا ویسا نہیں جس نے فرعون کو مصیبت میں ڈال دیا اور فرعون کو پورے ملک سے جادوگر اکٹھے کرنا پڑے۔ اس کا مطلب ہے جادوگر بھی ہے تو پائے کا ہے اس بات نے ان کے دل میں ایک احترام پیدا کر دیا کہ ہمیں لحاظ کرنا چاہئے ہمارے پیشے کا ایک آدمی ہے تو انہوں نے ادبا" اور احتراما" کہا کہ حضور" آپ پہلے اژدھا بنائیں گے یا ہمیں اجازت ہے کہ ہم بنائیں۔ قرآن حکیم میں یہ واقعہ موجود ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم کرو تو انہوں نے بے شمار' کچھ لکڑیاں تھیں' شہتیر تھے وہ بڑے بڑے رسے تھے۔ ان سے میدان بھر دیا تھا اور اس پہ کچھ پھونکا تو وہ سارے اژدھا بن کر پھنکارنے لگے وہ میدان اژدھوں سے بھر گیا۔ موسیٰ علیہ السلام بھی تھوڑے سے پریشان تھے انسانی فطرت ہے کہ میں تو ایک بناؤں گا انہوں نے ہزاروں بنا دیئے ارشاد ہوا کہ لاتخف گھبرائیں نہیں آپ ڈال دیں لاٹھی کو تو جب آپ نے ڈالی تو اتنا بڑا اژدھا بنا کہ اس نے ایک سرے سے انہیں نگلنا شروع کر دیا اور دو چار منہ مارے اور میدان خالی کر دیا تو جب میدان خالی کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑا تو اتنی سی لاٹھی بن گئی اب جادوگر پاگل تو نہیں تھے وہ تو اس فن کے لوگ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جادوگری سے لکڑی کو ہم نے سانپ بنایا اگر مقابل جادوگر ہمارے جادو کو باطل کر دے تو سانپ پھر لکڑی بن جائے گا وہ شہتیر تو باقی رہے گا۔ رسے کو سانپ بنایا۔ سانپ ختم ہو گیا واپس رسہ تو رہے گا۔ اب یہ کہ وہ رسے وہ شہتیر وہ لکڑیاں وہ سب یہ کھا جائے اور لاٹھی کا حجم بھی نہ بڑھے تو وہ گئی کہاں یہ تو وہی لاٹھی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی تو وہ جو سینکڑوں ہزاروں شہتیر کھا گیا اتنے بڑے بڑے رسے کھا گیا تو اژدھا تو یہاں سے وہاں تک مکان جتنا اونچا تھا۔ جب انہوں نے پکڑا تو اتنی سے لاٹھی بن گئی یہ کام جادو کا نہیں ہے' یہ اللہ کا سچا نبی ہے۔ چونکہ قلب ماہیت تو ممکن نہیں ہے۔ قلب ماہیت کہتے ہیں۔ کسی چیز کے وجود میں انقلاب پیدا ہونا۔ مثلا" گدھے کا انسان بن جانا یا انسان کا اونٹ یا گھوڑا بن جانا یہ ممکن نہیں ہے۔ اگر کوئی جادوگر انسان کو گدھا بناتا ہے تو وہ دیکھنے والوں کو گدھا نظر آئے گا رہے گا انسان ہی یعنی اس کے جادو کے اثر سے یہ نہیں کہ انسان میں گدھے کی خصوصیات آ جائیں یا انسانی ذہن فاسد ہو جائے چونکہ قلب مایت جو ہے یہ عقلا" محال ہے لیکن بطور معجزہ اور بطور کرامت کام ہوتا ہی وہی ہے جو عقل کی رسائی سے بالاتر ہو۔ اب عقلا" تو یہ تھا کہ وہ شہتیر وہ بلائیں ساری جو اژدھا بنیں جادو باطل ہو جانے پر دوبارہ شہتیر اور رسے بن جاتے لیکن اب وہ وجود ہی ختم ہو گیا اب جو لاٹھی اژدھا بنی سب کو کھا گئی انہوں نے ہاتھ میں پکڑی وہی دو شاخہ لاٹھی تھی جو ہاتھ میں تھی انہوں نے کہا یہ جادو نہیں ہے۔ یہ جادو سے اور علوم انسانی سے بالاتر چیز ہے اور یہ اللہ کا نبی ہے اور ہم اس کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں۔ اتنی جرات انہیں کیسے پیدا ہو گئی؟۔

وہ ایک لمحہ جو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا احترام کیا جادوگر سمجھ کر کیا نبی سمجھ کر نہیں کیا کہ اگر جادوگر بھی ہے تو قابل احترام ہے۔ پائے کا جادوگر ہے اور بجائے انہیں دھمکی دینے کے کہ آجاز میدان میں یہ کر لیں گے ایسا کرنے کی بجائے انہوں نے احترام سے کہا حضور آپ اپنا کرتب پہلے دکھائیں گے یا ہمیں اجازت دیتے ہیں کہ ہم اپنا کمال پہلے دکھائیں وہ جو ان کے ذہن نے' ان کے دل نے جو اہمیت دی موسیٰ علیہ السلام کو' اللہ کو وہ ادا پسند آ گئی۔ اللہ نے انہیں ایمان عطا کر دیا۔ اب فرعون کے سامنے یہ کہنا کہ ہم ایمان لے آئے' اتنا آسان تو نہیں تھا۔ فرعون نے فورا" کہا اچھا اس کا مطلب ہے تم سب آپس میں ملے ہوئے ہو یہ بھی تمہارا جادوگر بھائی ہے اور تم مجھے دھوکہ دینے چلے آئے تو دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا تماشہ

کرتا ہوں **لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف** میں تمہارے ایک طرف کا ہاتھ کٹواؤں گا اور دوسری طرف کا پاؤں کٹواؤں گا میں تمہیں کھجور کے تنوں کے ساتھ لٹکوا دونگا گلے میں پھانسی ڈال کر تڑپ تڑپ کر مرو گے تو انہوں نے کہا۔ **فاقض مانت قاض** تو جو کر سکتا ہے کر گزر اس کے لئے ہم پہلے بڑے شرمندہ ہیں کہ ہم اللہ کے رسول کے مقابلہ میں آئے اور اس کا علاج یہی ہے کہ ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا جائے تاکہ ہم اللہ کے حضور پہنچیں تو ہمیں شرمندگی نہ ہو اور ہمارا خون ہماری شرمندگی دھو چکا ہو۔ انہیں آخرت کا بھی پتہ چل گیا۔ حضور الٰہی کا بھی پتہ چل گیا۔ حساب کتاب کا بھی۔ لیکن کیسے؟ نہ انہوں نے کتاب پڑھی نہ انہیں کسی نے وعظ کیا نہ انہوں نے نماز سیکھی نہ پڑھی وہیں ایمان لائے اور وہیں انہیں قتل کر دیا گیا اور وہیں شہید ہو گئے صبح آئے تھے' کافر تھے ڈوبتے سورج نے انہیں شہادت سے ہمکنار دیکھا وہ جو ایک لمحہ نبی کے لئے احترام کا پیدا ہوا۔ یہ بات قرآن حکیم ارشاد فرما رہا ہے موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلواۃ والسلام کی۔ انبیاء سارے باب رحمت ہوتے ہیں۔ رحمت الٰہی کا دروازہ ہوتے ہیں لیکن اللہ کا وہ نبی اور رسول ﷺ جو مجسم رحمت ہے۔ **وما ارسلنک الا رحمتہ العالمین** ساری کائنات کیلئے رحمت مجسم ہے۔ اگر ان کے لئے حقیقی ادب کا ایک لمحہ بھی دل میں آجائے کتنی تبدیلی اسے پیدا کرنا چاہئے تو یار یہ مسلمان کہلوانے والے کیوں نہیں بدلتے۔ شائد زبان سے کہتے ہیں دل میں کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ وہ احترام نبوت پیدا کر دے تو جب کافر کے دل میں آئے موسیٰ کا احترام تو اسے مومن اور شہید بنا دے۔ فرعون کی بیوی کے دل میں موسیٰ کیلئے احترام آئے تو اسے واصل باللہ کر دے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کیلئے محبت کا کوئی لمحہ دل میں آئے تو زندگی تبدیل نہ ہو کیسے ممکن ہے؟ یہ ممکن نہیں ہے۔ دراصل ہم محبت نہیں کرتے۔ ہم دعوے کرتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں خواہشات کے جھاڑ جھنکار ہیں۔ حسد و کبر کے درندے رہتے ہیں لالچ و حرص کی بلائیں رہتی ہیں۔ اور اس ساری خباثت کو ہم نے انسانی کھال میں چھپا رکھا ہے اور اس پہ حلیے بنا رکھے ہیں۔ حبہ و دستار پہن لی۔ لمبی لمبی تسبیاں لے لیں۔ لمبی لمبی لاٹھیاں اٹھالیں اور یہ ساری **ملمع** سازی کر کے ان اندر کی بلاؤں کو ہم پال رہے ہیں۔ جس دل میں یہ جھاڑ جھنکار ہونگے' اس طرح کی بلائیں ہونگی وہاں بھلا محبت جیسا نفیس جذبہ کیسے اترے گا۔ یہ ساری ذکر الٰہی اور ذکر قلبی کی محنت ان بلاؤں کو وہاں سے بھگانے کیلئے اور یہ جھاڑ جھنکار صاف کرنے کیلئے ہے کہ وہ اس قابل ہو جائے کہ کوئی قطرہ محبت رسول ﷺ کا اس پر ٹپکے۔ کبھی تو ہمارا دل بھی چاہے کہ ہم اپنے نبی ﷺ پر اپنی جان نچھاور کریں کبھی تو ہمارے دل میں بھی آئے کہ ہم اپنے نبی ﷺ کے دین کیلئے نبی ﷺ کے ارشادات کیلئے ہمارا خون بھی کام آئے۔

یار جادوگر جو دوپہر کو ایمان لائے ان کے دل میں یہ بات آگئی انہوں نے فرعون سے کہا کہ جو کرنا ہے کرتا کیوں نہیں۔ ہمیں ستاتا کیوں ہے کہ ہاتھ پاؤں کاٹوں گا سولی لگاؤں گا **فقض مانت قاض** جو کرنا ہے کر گزر۔ بہنے دے ہمارے خون کو۔ تڑپنے دے لاشوں کو۔ وہ شرمندگی جو اللہ کے نبی کے سامنے آنے کے سبب ہمیں قیامت کو اٹھانی پڑیگی' اس خون کو بہنے دے کہ اس شرمندگی کو ہمارے چہروں سے دھو دے۔ ہمارے عہد کے فرعون اس فرعون جتنے طاقتور نہیں ہیں ہم ان کے سامنے کیوں جھک جاتے ہیں۔ ہمیں ان کا خوف کیوں نہیں جینے دیتا ہم ان کو کیوں نہیں کہہ سکتے کہ تم غلط ہو اور جو محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے وہ حق ہے۔ ہم کیوں ان کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے دل شائد ان جادوگروں سے بھی زیادہ آلودہ ہو گئے ہیں۔ ان میں اتنی بھی گنجائش نہیں ہے کہ ہم اپنے نبی کے ارشادات سنیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بات سنیں آپ کے حالات سنیں اور کوئی لمحہ ہم پر بھی آجائے کہ خلوص دل کے ساتھ یہ آرزو پیدا ہو کہ اے اللہ! میرے خون کو بھی ان مبارک قدموں میں گرنے کی سعادت نصیب فرما۔ وہ لمحہ تبدیلی کا ہو گا وہ لمحہ سوچ کو بدلے گا۔ کردار کو بدلے گا۔ عمل کو بدلے گا اگر یہ لمحہ نصیب نہ ہوا تو یہ جو دنیاداری کی بلائیں ہیں یہ بڑی خطرناک ہیں یہ اللہ اللہ کو بھی اپنے لئے استعمال کر لیتی ہیں۔ نفس انسانی اتنا کاریگر ہے کہ جب ہم خلوص سے خشوع و خضوع سے نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو یہ اندر سے کہنے لگتا ہے کوئی لوگ دیکھ لیتے ناں تو میری بڑی عزت ہوتی' یہ بڑی جم کر نماز پڑھتا ہے۔ وہ سارا خشوع و خضوع ادھر استعمال کر لیتے ہیں۔ ہم تسبیحات پڑھتے ہیں اللہ اللہ کرتے ہیں ذکر کرتے ہیں تو یہ دوسری طرف لگا لیتا ہے کہ میں نے اتنے سال ذکر کیا لوگوں کو میرے ہاتھ چومنے چاہئیں۔ میرے پاؤں دھونے چاہئیں۔ میرا احترام کرنا چاہئے۔ خود کو مافوق الفطرت سمجھنے لگتا ہے۔ یعنی یہ بلائیں ایسی ہیں کہ جو ان کے حق میں زہر ہے اسے بھی اپنے لئے تریاق بنا لیتے ہیں۔ تو آپ نے غالباً" سنا ہو گا۔ یقیناً" جانتے ہونگے کہ طب کا ایک قاعدہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی چیز زہر نہیں ہے۔ تو پھر لوگ مرتے کیوں ہیں؟ تو وہ فرماتے ہیں کہ زیادہ مقدار کی وجہ سے۔ مثلاً" دودھ تو زہر نہیں ہے۔ دودھ تو غذا ہے۔ دوا بھی ہے غذا بھی ہے آپ پانچ کلو دودھ کسی کے منہ میں ٹھونس دیں تو مرجائے گا؟ دودھ سے کیوں مرگیا؟ اس کا پیٹ ہی پھٹ جائے گا آپ نے بھر بھر کے بچکاریاں ٹھونس دیا پانچ چھ کلو دودھ تو مرجائے گا۔ آپ اسے پلاتے رئیں گن پوائنٹ پہ کہ پیتا جا وہ پیتے پیتے مرجائے گا۔ کھانا تو آپ صبح و شام کھاتے ہیں کسی آدمی کو زبردستی چار پانچ روٹیاں زائد کھلوا دو وہ مرجائے گا۔ زندگی کیلئے ضروری ہے لیکن جب اپنی حد سے بڑھے گا تو زہر ہو جائے گا۔ اسی طرح حکماء فرماتے ہیں کہ سنکھیا ہے یا دوسری چیزیں جنہیں آپ زہر کہتے ہیں ان کی خوراک کی مقدار بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ ایک چھوٹا سا ذرہ۔ ایک ایٹم اس کی خوراک اسے آپ ماشہ کھلا دیں وہ مرجائے گا۔ اسے آپ گندم کے دانے کے برابر کھلا دیں وہ مر

جائے گا اس لئے کہ اس کی تعداد آپ نے بہت زیادہ کر دی ہے آپ نے دیکھا ہو گا بہت سے امراض کا علاج حکیم زہر سے اور سنکھیے سے کرتے ہیں اس کی تعداد بہت تھوڑی کر کے گھٹا کر کرتے ہیں۔ ایک طریقہ سنکھیے سے علاج کا ہوتا کہ اس میں مختلف چیزیں ملاتے ہیں پھر اس میں سے کچھ حصہ لیکر اس میں مختلف دوائیں ملائیں پھر اس میں کچھ حصہ لیکر مختلف دوائیں ملائیں تو چھوٹا سا عنصر انجام کار اس دوائی میں سنکھیے میں رہ جاتا ہے اور وہ صحت کیلئے مفید ہوتا ہے۔ تو یہ جو دل میں بلائیں ہیں۔ یہ آپ انہیں تھوڑی سی زہر بھی دیں تو اس سے ان کا علاج ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے زہر بھی دوا کیلئے دینی چاہئے اللہ اللہ اتنی کریں کہ یہ اس سے مریں۔ اسی لئے قرآن نے بار بار حکم دیا **وذکر اللہ ذکرا کثیرا** بے شمار تعداد میں کرو اور بہت زیادہ کرو کہ پھر وہ اس نفس کیلئے مواد نہ بن سکے۔ زہر ہی بنے اور اسے مار کے چھوڑے۔ یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ دو دن چار دن ہم نے لطائف کئے پھر بزرگ بن کر بیٹھ گئے کہ میری کمر میں درد ہوتا ہے۔ مجھے پسینہ آتا ہے۔ مجھے یہ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے کچھ بھی نہیں ہوتا اگر کرتے چلے جاؤ طے کرلو مجھے یہ کرنا ہے کچھ بھی نہیں ہوتا اور اگر خدانخواستہ کوئی تکلیف ہوتی ہے تو ہونے دو اور کونسا کام ہے جس میں نہیں ہوتی سفر کرتے ہیں تکلیف ہوتی ہے' کاروبار پہ جاتے ہیں تکلیف ہوتی ہے۔ باہر جاتے ہیں رستے میں مہینوں سفر کرتے ہیں۔ بیمار ہو جاتے ہیں کیا ہم کاروبار چھوڑ دیتے ہیں؟ ملازمت چھوڑ دیتے ہیں؟ کرتے ہیں مرتے پٹتے تو پھر نے دو جو تکلیف ہوتی ہے دیکھا جائے گا۔ موت ہی آئے گی ناں تو آنے دو مرنا تو ہے۔ اگر اللہ اللہ کرتے موت آئی ہے تو آنے دو۔ بات صرف اتنی ہے کہ یہ جھاڑ جھنکار اور یہ غلاظت کے ڈھیر یہ بلائیں یہ اللہ اللہ سے مر جائیں دل میں کچھ صفائی آئے کچھ اس میں طہارت آئے' پاکیزگی آئے نورانیت آئے روشنی آئے اور وہ اس قابل ہو سکے کہ کوئی لمحہ محبت رسول کا اس پہ بھی آئے۔ بخاری شریف میں ایک واقعہ ہے۔ مجھے صحیح یاد نہیں ہے لیکن غالباً حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں ابولہب کو دیکھا ابولہب پہلے مر گیا تھا فتح مکہ سے۔ جب بدر کی شکست کی خبر پہنچی مکہ مکرمہ میں تو بدر کی شکست نے اہل مکہ کو توڑ کر رکھ دیا تھا ان کے چوٹی کے چیدہ چیدہ ستر جوان مارے گئے۔ ستر چیدہ چیدہ لوگ قید ہو گئے شکست ہوئی بری طرح تو جو خبر دینے کے لئے گیا تھا اس کے پاس سانڈھنی تھی اس کا ناک چیر دیا یہ عربوں کا قاعدہ تھا۔ اپنے کپڑے پھاڑ دیتے اور پالان پر پیچھے کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا تو وہ سانڈھنی کا خون ٹپکتا جا رہا ہے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں برا حال ہے۔ منہ پیچھے کی طرف چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ اہل مکہ تم برباد ہو گئے۔ تم لٹ گئے۔ تم تباہ ہو گئے تو یہ شور اٹھا اور عورتیں باہر نکل آئیں سروں سے دوپٹے اتار کر اور چیخ چھاڑ بن گیا شور شرابا پورے شہر میں کہ کون مرا کون بچا تو حرم کے سامنے ایک شخص بیٹھا تھا جو لوہے کا کام کرتا تھا اور تلواریں وغیرہ بھی بناتا تھا دوسرے کام کرتا تھا وہ مسلمان تھا لیکن اس نے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا ابی لہب اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ شور جب اس لوہار نے سنا تو اس نے پوچھا کیسا شور ہے۔ کیا ہوا کسی نے بتایا بدر میں شکست ہو گئی بڑے لوگ مارے گئے۔ بڑے لوگ قید ہوئے۔ اہل مکہ تباہ ہو گئے تو اس کے منہ سے نکل گیا الحمد اللہ ابولہب کے ہاتھ میں کمان تھی اس کی ٹیک پہ بیٹھا تھا اس نے وہ کمان اس لوہار کو ماری اور اس کے گھٹنے پہ لگی۔ کمان لوہار کے گھٹنے پر لگی پھوڑا ابولہب کے گھٹنے پہ بن گیا۔ وہ پھوڑا اتنا پھیلا کہ ابولہب کے پورے وجود پر پھوڑے ہو گئے۔ پھر ان میں کیڑے پڑ گئے۔ پھر جس بدن میں کیڑے پڑتے ہیں اس میں بدبو بن جاتی ہے پھر اس میں اتنی بدبو آنے لگی کہ جس کمرے میں وہ پڑا تھا کوئی اسے پانی یا دواء دینے کیلئے اندر داخل نہیں ہوتا تھا۔ تو یوں تڑپ تڑپ کے جب مر گیا تو وہ سارا گوشت گل گیا لواحقین جانتے تھے کہ اب اسے بستر سے ہلایا بھی جائے تو ہڈیاں الگ ہو جائیں گی تو پھر انہوں نے یہ طے کیا کہ یہ مکان اس کے اوپر گرا دیا جائے تو وہ مکان اس کی دیواریں جو ہیں وہ پتھر نکال کر چھت سمیت اس کے اوپر گرا دیا گیا اور وہیں اسے دفن کر دیا۔

تو حضرت عباسؓ فرماتے ہیں۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا تو میں نے کہا اب سناؤ بھائی تو کہنے لگا کیا سناؤں دوزخ ہے' آگ ہے اور ہم ہیں تو وہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا کبھی کسی وقت کوئی لمحہ خوشگواری کا بھی آتا ہے۔..... ہاں اس نے کہا جب محمد رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تھے تو میری ایک کنیز میرے پاس بھاگتی ہوئی آئی تھی اور اس نے کہا تھا مبارک ہو۔ تمہارا بھتیجا پیدا ہوا ہے تمہارے مرحوم بھائی کا بیٹا پیدا ہوا ہے تو میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے کہا تھا جاؤ تم آزاد ہو۔ اس مبارک کے صلے میں ہفتے کا جب وہ دن آتا ہے تو کوئی اس طرح ہاتھ جھٹکتا ہے جس طرح میں نے جھٹکا تھا تو اس سے کچھ ٹھنڈی بوندیں گرتی ہیں مجھ پر۔ حضور ﷺ کی دشمنی میں ذلیل ہوا حضور ﷺ کی دشمنی میں دنیا و آخرت دونوں تباہ کیں قرآن نے نام لیکر اسے کوسا **تبت یدا ابی لہب وتب**۔ گھ نہ رہے ابی لہب کا تباہ ہو جائے۔ نہ مال رہے نہ اس کی آبرو رہے۔ اس کی بیوی بھی ذلیل ہو کر مرے نہ جانتے ہوئے محض رشتے کی بنیاد پر اس نے ایک جو کنیز آزاد کی وہ تھوڑی سی سہولت اسے جہنم میں ملی۔ اللہ نے ہمیں مسلمانوں کے گھروں میں پیدا کیا اور دنیا میں ہمارے کان میں پہلی آواز **اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ** پڑی زندگی بیت گئی۔ سب کچھ کمایا مال دولت' بال بچہ گھر بار شہرت وعزت۔ تھوڑی سی محبت نبوی بھی نصیب ہو جاتی۔ ایک لمحہ تو ایسا آتا جب ہمارا دل بھی کٹ مرنے کو چاہتا ساری نجات کیلئے وہ ایک لمحہ کافی تھا تو میرے بھائی محنت کرو۔ خلوص سے کرو اللہ کرے ہمیں صفائے قلب نصیب ہو۔ یہ جھاڑ جھنکار دل سے نکلیں۔ محبت نبوی نصیب ہو عشق الٰہی نصیب ہو اللہ ہمارے حال پہ رحم فرمائے اور ہماری انسانی کمزوریوں کو معاف فرمائے ہم کیا ہماری کوشش کیا۔ اپنے کرم سے یہ نعمت نصیب فرما دے۔

برکات صحبت پیامبر

مولانا محمد اکرم اعوان

اعوذباللہ من الشیطن الرجیم○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○ ام یقولون افتری علی اللہ کذب وان یشاء اللہ یختم.....والکافرون لھم عذاب شدید

رب کریم جل وعلیٰ نے اثبات نبوت میں جہاں بے شمار دلائل ارشاد فرمائے ہیں ان میں ایک بہت بڑی دلیل نبی کے عمل' اس کی تعلیمات اور تعلیمات نبوت کو قبول کرنے والے لوگوں کی عملی زندگی کو قرار دیا ہے اور یہ بڑی یقینی اور قطعی بات ہے کہ کوئی بھی غلط کار انسان مثبت نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔

ہمارے ہاں ایک بدقسمتی یہ بھی ہے اور شاید یہ مغربی طرز کی جمہوریت کا اثر ہے ہمارے ذہنوں پر کہ ہم کثرت سے بھی مرعوب ہو جاتے ہیں اور جہاں لوگوں کی بھیڑ دیکھتے ہیں یا جم غفیر دیکھتے ہیں تو لوگوں کی کثرت تعداد بھی ہمیں کسی حد تک مرعوب کر دیتی ہے۔ یہ نشانی رب جلیل نے کہیں بھی نہیں ارشاد فرمائی یہ ضرور ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص بھی تعلیمات نبوت سے سیراب ہوا وہ صداقت نبوت کی دلیل بن گیا اور اس کو مختلف انداز سے ارشاد فرمایا ہے اور متعدد جگھوں پر ارشاد فرماتا ہے جیسے ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا" سجدا۔ یہاں بھی اسی بات کو دلیل حقانیت اور دلیل عظمت کے طور پر ارشاد فرمایا کہ جنہیں میرے نبی کی معیت نصیب ہوئی یہ تبدیلیاں ان کی عملی زندگی میں آگئیں۔ یہاں بھی یہی ارشاد فرمایا کہ آپ کے دعویٰ نبوت کو اگر کفار اس طرح سے لیں معاذ اللہ کہ وہ یہ کہیں امر یقولون افتریٰ علی اللہ کذب

۔ اللہ نے آپ کو یہ حکم نہیں دیا اللہ نے آپ کو نبی مقرر نہیں کیا خدا نے یہ عظمت نہیں بخشی بلکہ خدا کے ذمہ غلط طور پر یہ لگایا جا رہا ہے تو وہ اس بات کو کیوں بھول جاتے ہیں وان یشاء یختم علی قلبک کہ اگر اللہ چاہے تو وہ تو دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔

اور یہ یاد رکھیں کہ غلط روش پر' غلط عمل پر کوئی شخص خواہ کتنے بھی لوگوں کو پیچھے لگا لے ایک جو قلبی احترام ہوتا ہے وہ لوگوں میں پیدا نہیں ہو سکتا یہ ممکن ہی نہیں ہے بلکہ برائی کو فطرتاً" انسان برا سمجھتا ہے خواہ خود برائی میں ملوث ہو اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کتنی مخلوق ہے جو شیطان کی اطاعت کرتی ہے' لیکن اس ساری مخلوق میں شیطان کو بھلا کہنے والا ایک بھی نہیں ملتا یہ اور بات ہے کہ وہ اس کی بات کو مانتے ہیں اس کے پیچھے چلتے ہیں عمل ایسا کرتے ہیں جو وہ کہتا ہے لیکن جہاں تک دل میں کسی کی عظمت کا تعلق ہے وہ شیطان کے لئے کسی کے دل میں نہیں ہوتی بلکہ دن رات اس کی پوجا کرنے والے بھی اسے برا ہی کہتے ہیں۔ اور حق میں یہ سند ہوتی ہے کہ جتنے لوگ نور نبوت سے مستفید ہوئے وہ ایسے مثالی انسان قرار پائے کہ مورخ خواہ کافر ہی ہو اسے بھی ان کے کمالات اور خوبیوں کا اعتراف کرتے ہی بنی اور کافر کو بھی یہ کہنا پڑا کہ ان جیسے انسان تاریخ عالم میں کہیں اور نظر نہیں آتے۔

تو وہ جو اعتراض کفار کا تھا معاذ اللہ انہوں نے یہ بات اپنے پاس سے کہہ دی ہے یا کہیں سے سن کر کہہ دی ہے یا کسی سے سیکھ کر کہہ دی ہے اللہ کا حکم نہیں ہے تو فرمایا اس کی دلیل تو احقاق حق ہے قانون یہ ہے۔ کہ حق کو اللہ کریم تقویت دیتے ہیں اور وہ ترقی کرتا ہے اور باطل کے مزاج میں اور اس کے مقدر میں مٹ جانا ہوتا ہے اور اس کے مٹنے کی دلیل یہی کافی ہے کہ جو اس پر عمل کرتے ہیں وہ بھی اسے اچھا نہیں سمجھتے اور آپ دیکھ لیں گناہ کے لئے کسی گنہگار کے دل میں عظمت واحترام نہیں ہوتا۔ ساری زندگی بھی اگر کوئی شخص گناہ میں ملوث رہے تو گناہ کے لئے اس کے دل میں سوائے نفرت کے کچھ نہیں ہوتا گناہ کے لئے کوئی احترام کوئی عزت پیدا نہیں ہوتی۔

لیکن صداقت اچھائی نیکی اور بھلائی ایک ایسی کیفیت پیدا کر دیتی ہے انسانی وجود میں کہ نہ صرف وہ وجود اس کی صداقتوں کا مظہر بن جاتا ہے بلکہ ان حقیقتوں کو ماننے پر ایک دنیا کو مجبور کر دیتا ہے اور فرمایا تم ہی کہو اگر میرا نبی برحق نہ ہوتا تو ابوبکر و عمر کہاں سے آتے یہ عرب تو یہاں موجود تھا عربوں کے پاس اعلیٰ نسل کے گھوڑے اور اچھی نسل کے اونٹ موجود تھے عربوں کے پاس یہ خاص قسم کی تلواریں اور خاص قسم کی دھات اور تلواریں بنانے کا فن موجود تھا عربوں کی فطری خصوصیات جو ہیں وہ تو عربوں کے پاس موجود تھیں لیکن روئے زمین پر ان کی کوئی قدر وقیمت نہ تھی۔ حتی کہ کوئی پڑوسی سلطنت ان کو زیر تسلط لینے پہ تیار نہ ہوتی تھی کہ یہاں سے حاصل کچھ نہیں ہوگا سوائے مسائل کے اور سوائے مصیبتوں کے۔ ان کے کھانے اور پانی سے لیکر لباس تک جو شخص ان پر حکومت کرے گا جو شخص ان پر قابض ہوگا اسے یہ سب کچھ انہیں دینا پڑے گا۔ ان سے لے کچھ بھی نہیں سکتا۔ اس وقت ان کے پاس تیل کے کنویں نہیں تھے اس وقت ان کے پاس سونے کی کانیں نہیں تھیں۔ یمن میں اگر کچھ آمدن تھی تو وہاں خسرو پرویز کا گورنر رہتا تھا کتنی عجیب بات ہے کہ سارا جزیرہ العرب درمیان میں رہ جاتا ہے یہ کسی کی رعیت نہیں

ہے اور ان سے گزر کر آگے یمن جو ہے وہاں گورنر رہتا ہے وہ شہنشاہ ایران کی رعیت ہے اس لئے کہ وہاں سے کسی حد تک آمدن کی توقعات تھیں اور یہاں صرف مصائب ہی مصائب تھے۔ اور دنیا کا کوئی قانون یہاں رائج نہیں تھا کوئی ضابطہ اخلاق نہیں تھا تو اللہ نے فرمایا ہے ذرہ ان کفار سے پوچھو کہ اس ویرانے سے خانہ بدوشوں اور چرواہوں کو پکڑ کر " جہانگیر و جہاندار و جہانبان و جہاں آرا" کس نے بنا دیا۔

ایک دفعہ کراچی نیول بیس پر ایک بیان ہوا تو اس میں اس طرح کی باتیں ہوئیں تو اس میں ایک آفیسر بعد میں مجھ سے کہنے لگے کہ ہمارے ہاں یہ بحث چل رہی ہے کہ بحیثیت جرنیل حضور اکرم ﷺ زیادہ کامیاب ہیں یا خالد ابن ولید۔ یہ مسلمانوں کا حال ہے لیکن آج ہمیں پتہ چلا کہ خالد تو خالد بنا ہی بہ طفیل محمد رسول اللہ ﷺ یعنی تمام انسانیت میں جو کمال آیا وہ حضور ﷺ کے پاؤں کی گرد ہے۔ اور یہ جو تاریخ لرز اٹھتی ہے ان کے تذکروں سے یہ انسان اسی دن مٹی سے نہیں بنائے گئے یہیں رہتے تھے ان کی نسلیں یہیں اس زمین پر ہو کر گزر گئیں ان کے خاندان یہاں رہتے تھے لیکن تاریخ نے ان کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ اور یہ کمال تھا محمد رسول اللہ ﷺ کا کہ آپ کی ذات گرامی سے جس کسی نے فیوض و برکات کو حاصل کیا اتنا ہی وہ عالم انسانیت میں سربلند ہوتا چلا گیا اور فرمایا اب اس گلشن کو دیکھو ذرا۔ ان پھولوں کا رنگ اور ان کی خوشبو دیکھو ان سے پھوٹنے والی صداقت و حقانیت کے چشموں کا نظارہ کرو اور ان کے ایک ایک عمل سے تاریخ کی الجھنوں کو سلجھتا ہوا دیکھو اور ان کی ایک ایک بات سے انسانیت کے لئے ہدایت کے چشمے پھوٹتے دیکھو یہ سب کچھ جب دیکھ چکو تو پھر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنا کہ یہ برکات یہ فضائل اور یہ عجائبات انہوں نے کہاں سے ڈھونڈے۔ اور جب تم ماخذو مصدر کی طرف لوٹو گے تو تم دیکھو گے کہ وہ ہے ذات محمد رسول اللہ ﷺ۔

ہوتا یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو برکات اور جو توفیق ارزاں ہوتی ہے اس کا مہبط ہوتا ہے قلب رسول اللہ ﷺ۔ ہر امت نے جو فضیلت بھی لی جو نیکی بھی لی جو حقائق جانے اور جن رفعتوں تک پہنچی اس نے اپنے نبی کے قلب مبارک سے حاصل کیں اور تمام انبیاء کے قلوب جو ہیں وہ مستفید ہوئے قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے اور یہ تمام امتوں میں خوش نصیب آخری امت ہے کہ جس کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کسی اور نبوت کا واسطہ نہیں ہے بلکہ یہ براہ راست مستفید ہوتے ہیں اس چشم صافی سے جس چشم صافی سے دوسری امتوں کے انبیاء مستفید ہو کر اپنی امتوں کو سیراب کرتے تھے اس لئے ارشاد ہوا

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل او کماقال رسول اللہ ﷺ

عالم اور نبی درجے میں برابر نہیں ہوتے لاکھوں عالم جمع کر لو تو نبی کے جوتے کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ سیراب ہونے کی کیفیت میں فرما دیا جس طرح پہلی امتوں کے نبی سیراب ہوتے تھے قلب اطہر سے اس امت کے ماننے والے لوگ اسی طرح سیراب ہونگے یعنی اشتراک اس وصف میں ہے ورنہ نبی نبی ہوتا ہے اور غیر نبی اس کی اس منزلت اور اس کی اس شان کو نہیں پا سکتا لیکن جس چشمہ صافی سے انبیاء جو حضور ﷺ سے پہلے گزرے ہیں جس چشمہ صافی سے وہ انبیاء سیراب ہوتے تھے اس امت کے ہمارے علماء نے اسی سے سیراب ہونے کی سعادت پائی۔

تو ہوتا یہ ہے کہ جب انسان ایمان لاتا ہے اللہ کریم اسے توفیق بخشتا ہے ایمان لانے کی تو جب اس کا دل تصدیق کرتا ہے دیکھیں ایمان کا مدار تصدیق قلبی پر ہے جب اس کا دل تصدیق کرتا ہے تو اس دل کے اور قلب اطہر رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک رابطہ قائم ہو جاتا ہے اور اگر چشم بینا ہو تو دیکھا جا سکتا ہے کہ بے شمار نورانی تاریں نکلتی ہیں قلب اطہر سے اور جہاں جہاں کسی دل میں ایمان ہے وہاں وہاں تک پہنچتی ہیں۔ اب اس رشتہ ایمان کو مضبوط تر کرنے کا ایک طریقہ ہے جس کے دو جزو ہیں۔

وہ طریقہ ہے اطاعت رسول اللہ ﷺ کا اس کے دو حصے ہیں ایک حصہ تو وہ ہے جو عام انسان کو نصیب ہے کہ ایمان لانے کے بعد تعلیمات نبوت سے آشنائی حاصل کرے اور اتباع رسالت کو شعار بنائے اپنا جینا مرنا سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا جتنا سنت کے قریب تر کرتا چلا جائے گا اتنا یہ رشتہ مضبوط اور اتنی اس میں تاریں بڑھتی چلی جائیں گی۔ ہر سنت اس میں ایک تار بڑھادے گی اور ہر اطاعت اس میں ایک تار بڑھادے گی۔ عین ممکن ہے وہ تار سے رسہ رسے سے بہت ہی موٹا رسہ اس سے ایک پانی کے نالے کی شکل اختیار کر جائے اور اس سے نہر و دریا بن جائے دوسرا راستہ اس کا اس کو مضبوط تر کرنے کا یہ ہے کہ یہ بھی نصیب ہو اطاعت بھی نصیب ہو اور اس کے ساتھ برکات صحبت نصیب ہو جائیں۔

تو جب یہ شامل ہو جائیں تو اس کی ابتدا تار سے نہیں ہوتی اس کی ابتداء نہر سے ہوتی ہے ایمان کے ساتھ عمل صالح نصیب ہو تو یہ ایک تار بنتی ہے اور ہر عمل اس میں ایک ایک تار کا اضافہ کرتا چلا جاتا ہے اگر ہم اپنی پوری زندگی اپنے پورے شب و روز کو اطاعت پیامر میں سمولیں تو ہمارا وجود صداقت پیامر کی گواہی بن جاتا ہے لیکن اگر اس میں برکات صحبت نصیب ہو جائیں اطاعت پیار کے ساتھ برکات صحبت پیامرل جائیں تو اس کی ابتدا ہی ایک بہت بڑی نہر یا ایک دریا کی صورت میں ہوتی ہے تار کی صورت میں نہیں ہوتی اور پھر یہ سمندروں کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہے۔

اب یہ سمجھ لیں کہ عمل کے علاوہ برکات صحبت کیا شے ہیں تو برکات صحبت ایسی عجیب چیز ہیں کہ ایمان لانے کے بعد صحبت نبوی میں جو بھی پہنچ گیا ایک پل کے لئے پہنچ گیا تو وہ اسی آن صحابی رسول ہو گیا۔ صحابی محض ایک لفظ نہیں ہے صحابی ایک کوالیفکیشن ہے۔ صحابی ایک معیار ہے اور صحابی کہہ دینا بالکل ایسے ہے جیسے آپ فوجی زندگی میں کسی کو جرنیل کہہ دیتے ہیں تو جرنیل کہہ دینے کے پیچھے

ایک تاریخ ہوتی ہے اس لفظ کے پیچھے کہ یہ شخص کبھی نہایت صحت مند اور ذہین بچہ تھا اس لئے اسے منتخب کیا گیا آفیسر بننے کے لئے پھر اس کو مختلف کورسز کرائے گئے اور کبھی یہ نہایت اچھا لیفٹیننٹ تھا' بہت اچھا کیپٹن تھا' بہت اعلیٰ میجر تھا' بہت اچھا کرنل تھا' بہت اچھا بریگیڈیئر تھا' دنیا میں جتنے کورس ایک آفیسر کے لئے ضروری ہیں اپنی یونیورسٹیوں اور غیر ملکی اداروں میں وہ اس نے کئے' صحت کے اعتبار سے یہ اچھا ہے اور کریکٹر کے اعتبار سے یہ صحیح آدمی ہے تو قوم کو تیس چالیس برس کا مسلسل سرمایہ اور ایک شخص کی پوری زندگی لگا کر تو تین لفظوں کا ایک حرف بنا جرنیل وہ اس شخص کے نام کے ساتھ لگ گیا۔ اب یہ جرنیل بننا جو ہے یا کسی کو جرنیل کہہ دینا جو ہے یہ چھوٹی سی بات نہیں بلکہ اس کے پیچھے پوری تاریخ ہے اسی طرح جب کسی کو صحابی کہا جاتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے اس نے صداقت دیانت امانت نیکی ورع تقویٰ خشوع خضوع اور قرب الٰہی کو براہ راست نبی کریم سے حاصل کیا اور غیر صحابی اس منزل پر نہیں پہنچ سکتا جہاں یہ کھڑا ہے۔

یعنی ساری دنیا میں رہنے والے لوگ ولایت کے اعلیٰ مناصب پر سرفراز ہو جائیں تو سب کی ولایت کو بھی جمع کیا جائے تو جہاں ان عظمتوں کا مینار ختم ہو جائے گا وہاں سے تبع تابعین کے منازل شروع ہونگے اور جہاں وہ ختم ہونگے وہاں سے تابعین اور جہاں تابعین کی عظمتیں ختم ہونگی دم توڑ دیں گی وہاں سے نقوش کف پائے صحابہ نظر آئیں گے۔

صحابی کہہ دینا صرف ایک لفظ نہیں ہے کہ کسی کے نام کے ساتھ لگ گیا بلکہ کسی کو صحابی ماننا اس کی امانت دیانت خشوع ورع اور تقویٰ نیکی سچائی اور کھرے پن کی رفعتوں اور عظمتوں پر فائز ہونے کو قبول کرنا ہے تو یہ اتنا بلند مقام جو نبوت کے بعد ساری انسانیت کے لئے بلند ترین منصب ہے جب فیض صحبت نصیب ہوا تو ایک آن میں حاصل ہو گیا۔ یعنی فیض صحبت سے ابتدا ہی دریا سے ہوئی اور اگر فیض صحبت نصیب نہ ہو تو ساری زندگی کوشش کرنے کے باوجود اس کے دل میں اور قلب اطہر کے مابین دریا موجزن نہیں ہو سکتے پوری زندگی اگر پیدا ہونے سے لیکر مرنے تک اطاعت پیامر سے عبارت ہو لیکن صحبت پیامر نصیب نہ ہو تو صحابی نہیں بنتا۔ یعنی قلب کا وہ تعلق نصیب نہیں ہوتا جو فیوضات صحبت سے نصیب ہو جاتا ہے یہ ایک آن میں ایک دریا کا دروازہ کھول دیتا ہے اور فیض صحبت نصیب نہ ہو تو ایک تار ملتی ہے ایمان کے ساتھ جس میں ہمارا عمل زیادتی کرتا چلا جاتا ہے اور خوش قسمت اس تار سے رسہ بٹ لیتا ہے کوئی خوش نصیب اس سے نالہ بنا لیتا ہے کوئی نہر کی چوڑائی تک اس کو گہرا اور چوڑا کر لیتا ہے لیکن دریا جاری نہیں ہوتے جب تک فیض صحبت نصیب نہ ہو۔

اسی بات کو یہاں رب جلیل نے ارشاد فرمایا ہے یہ تو اللہ کا فیصلہ ہے کہ باطل جب آتا ہے تو اپنی تباہی اپنے ساتھ لے کر آتا ہے کوئی بھی دل کی گہرائیوں سے اسے خوش آمدید نہیں کہتا اور برائی پر جو لوگ عمل کرتے ہیں وہ بھی برائی کو اچھا نہیں کہتے برائی کو برا سمجھتے ہیں اس کی تباہی کے لئے یہی کافی ہے۔

لیکن حق جب آتا ہے تو برکات الٰہیہ اسے استوار کر دیتی ہیں دلوں میں پیوست کر دیتی ہیں لوگ کٹ جاتے ہیں لیکن یہ کہتے رہتے ہیں کہ حق حق ہے اور ہم حق کا ساتھ دیں گے۔

انه علیم بذات الصدور۔ اور اللہ دل کی گہرائیوں کو جانتا ہے کہ کہاں حق ہے اور کہاں باطل ہے اب رہ گئی یہ بات کہ جب حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو سارا معاشرہ تو وہی تھا جزیرۃ العرب میں جہاں حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے وہاں تو نیکی کا نام نہیں تھا دنیا کی کوئی ایسی برائی نہیں تھی جو وہاں موجود نہ ہو فرمایا یہ اللہ کی عظمتیں ہیں اور یہ نبی کریم ﷺ کی دریا دلی ہے کہ کوئی بدترین سے بدترین اور بدکار سے بدکار آدمی جس لمحے دامان رسالت سے پیوستہ ہو جائے وہ لمحہ اس کی تمام برائیوں کو محو کرنے کے لئے کافی ہے اور اسے تم عرب نہ کہو اسے تم صحابی رسول ﷺ کہو۔

فرمایا! هوالذی یقبل التوبته عن عباده فرمایا یہ بھی تو اللہ ہی کا احسان ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرے ویعفواعن السیات تمام خطاؤں کو بیک آن مٹا کر رکھ دے یہ اس کی عظمت ہے یہ اس کا احسان ہے۔ وہ جو مٹی سے انسان بنا دیتا ہے وہ جو چٹانوں سے پھل دار پودے اگا دیتا ہے وہ جو خاک کے چٹیل میدانوں میں ایک آن میں سبزے کی ایک چادر بچھا دیتا ہے وہ جو ایک لمحے میں ایک قطرہ بارش کے ساتھ گلہائے رنگ رنگ کو زمین سے نکال دیتا ہے وہی خدا اس بات پہ قادر ہے کہ جیسے کوئی شخص دامان رسالت سے وابستہ ہو یہ توبہ کیا ہوتی ہے۔

توبہ ہوتی ہے اپنی پسند کی زندگی کو چھوڑ کر اپنے لئے نبی کی پسند کو معیار بنا لینا تو جیسے کوئی دامان رسالت سے وابستہ ہو اسی لمحے اسی آن یعفواعن السیات تمام برائیاں اس کے دامن سے دھو ڈالے ویعلم ما تفعلون اور وہ اتنا جاننے والا ہے کہ کوئی نیکی یا کوئی برائی کسی کا کوئی عمل اس کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہتا نہ صادر ہوتے وقت چھپ سکتا ہے اور نہ جب وہ مٹانا چاہے باقی رہتا ہے۔

فرمایا! ویستجیب الذین امنوا عملوا الصالحات قبول کرتا ہے وہ ایمان لانے والوں سے ایمانوں کا اور حسن عمل کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ عملوا الصالحات کا ترجمہ میں نے حسن عمل اس لئے کر دیا ہے کہ سارے کا سارا حسن اللہ نے سمو دیا ہے محمد رسول اللہ میں' قد و قامت میں' رخ زیبا میں' اٹھنے بیٹھنے میں' بات کرنے میں' ہر طرح کا حسن آپ کو ایک جگہ ملے گا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے عجیب عجیب باتیں ملتی ہیں ایک صحابی فرماتے ہیں کہ چاندنی رات تھی چاند پورے جوبن پر تھا رسول اللہ ﷺ میرے زانو پہ سر رکھ کر استراحت فرما رہے تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں بڑی دیر دیکھتا رہا میں حضور کے رخ انور کو دیکھتا اور پھر میں چاند کو دیکھتا پھر

میں حضور کے رخ انور کی طرف دیکھتا اور پھر چاند کو دیکھتا کہتے ہیں اللہ کی قسم حضور کے رخ انور پر زیادہ روشنی زیادہ حسن زیادہ جمال اور زیادہ ملاحت تھی۔ شاعر نے کہا تھا۔

کل چودھویں کی رات تھی شب بھر رہا چرچا تیرا
کچھ نے کہا یہ چاند ہے کچھ نے کہا چہرہ تیرا

تو حسن ظاہری جو ہے جمال ظاہری جو ہے اس کی انتہا بھی حضورؐ کی ذات پر ہوتی ہے اور حسن کمال باطنی جو ہے اس کی انتہا بھی حضورؐ پر ہوتی ہے۔ وہ عمل حسین ہے جو حضورؐ کی ذات سے ثابت ہو تو یہاں **عملوا الصلحت** سے مراد بنے گی کہ جو ایمان لائے اور حسن عمل ہو اس کے پاس اور اس کے اعمال ایسے ہوں جیسے رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ویزیدھم من فضلہ اس پر اللہ کی عطا ساعت بساعت لحہ بہ لحہ زیادہ ہوتی چلی جائے گی اب اگر اسے صرف اطاعت کے ساتھ حسن عمل نصیب ہے تو بھی زیادتی ہوتی ہے لیکن اس کی ایک حد ہے اور فیوضات وبرکات صحبت نصیب ہو جائیں تو جہاں حسن عمل اور تعلیمات پر عمل کی انتہا ہوتی ہے فیوضات وبرکات صحبت کے طفیل وہاں سے حسن عمل کی انتہا ہوتی ہے۔

اور یہ فیض صحبت نصیب اس طرح سے ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے براہ راست صحابہ نے اخذ کیا حضور ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد سے سلسلہ ختم نہیں ہو گیا بلکہ صحابہ کی صحبت میں جو مومن پہنچا وہ تابعی ہو گیا یعنی وہی فیض صحبت جو نبی اکرم ﷺ سے براہ راست صحابی کو پہنچا تھا صحابی سے اگلے مسلمان کو منتقل ہو گیا۔ اب اس میں وہ قوت نہیں تھی کہ وہ اسے صحابی بناتا کیونکہ ایک درجہ درمیان میں آگیا تھا یہ آنے والا بھی اگر براہ راست حضور سے مستفید ہوتا تو یقیناً" صحابی بنتا جب صحابہ درمیان آگئے تابعی بنا جو تابعی کی مجلس میں پہنچا تو تبع تابعی بنا اور یہ جو سلاسل مبارکہ ہیں اور ان میں جو شجرہ مبارک پڑھا جاتا ہے فلاں نے فلاں سے فلاں نے فلاں سے اس سے مراد ہی برکات صحبت ہوتی ہیں کہ کون آدمی کس کی صحبت میں پہنچا اس نے کس سے فیوضات صحبت حاصل کیں اور یہ سلسلہ کیسے رسول اللہ ﷺ تک پہنچا اور یہ یاد رکھ لیں کہ جتنا طویل سلسلہ ہوتا ہے اتنی اس میں قوت کم ہوتی چلی جاتی ہے اسی لئے یہ سلسلہ عالیہ تمام سلاسل سے قوی ہے کہ چودہ صدیوں میں صرف دس واسطے ہیں رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس تک۔ اور باقی کوئی بھی سلسلہ چالیس واسطوں سے کم تر کا نہیں ہے اس میں ایسے ایسے عظیم انسان ہیں کہ جنہوں نے تین تین چار چار صدی مسلسل دلوں کو روشن رکھا۔

تو میرے بھائی یہ ہے کمال انسانیت اور یہ کمال اگر نصیب ہو جائے تو اللہ کریم اسے نبوت کی حقانیت کی دلیل کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ دیکھ لو میرے نبی کا کمال کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی خلوص دل سے محبت کرنے والے اور اللہ کو چاہنے والے کس نے پیدا کر دیئے اس صدی میں اس اخلاقی انحطاط کے دور میں دلوں کو خلوص کس نے بخشا ہے اگر کوئی خلوص دلوں میں آیا ہے تو اس کا مصدر جو ہے منبع صافی جو ہے وہ ہے ذات اقدس رسول اللہ ﷺ اور یہ آپ کی حقانیت کی ایک اور دلیل ہے کہ برائیوں میں غرق انسانیت کا کوئی فرد بدترین زمانے میں حضور کا دامن تھام لے تو اسے وہاں بھی نیکی اور نورانیت نصیب ہو جاتی ہے۔

اور رہ گئے وہ بدنصیب جو انکار کرتے ہیں **والکافرون لھم عذاب شدید** کفر کی قسمت میں دردناک عذاب ہے زندہ رہیں گے تو عذاب سہتے رہیں گے دکھ سہتے رہیں گے دوزخ ان کے دل میں ہوگا زندہ رہیں گے تو بدن پر ریشم واطلس وکمخواب ہو دل میں دوزخ ہوگا مر جائیں گے تو وہ دوزخ میں ہونگے زندہ رہیں گے تو دوزخ ان کے اندر ہو گا مر جائیں گے تو وہ دوزخ میں جائیں گے کفر تو ہے ہی بدنصیب اور اس کے لئے سوائے عذاب کے کچھ نہیں۔ اللہ کریم کفر سے پناہ عطا فرمائے اور حضور ﷺ کی برکات صحبت سے مستفید فرمائے۔

حاضر وغائب تمام احباب کو استقامت علی الدین نصیب فرمائے اور عامتہ المسلمین کو حق پر جمع فرمائے۔

جنت

جنت کیا ہے؟ ایک خواب یا ایک حقیقت یا ایک ایسی تصوراتی دنیا جس کا حسن چند الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ لیکن نہ تو جنت ایک خواب ہے۔ نہ تصوراتی دنیا نہ خیالی تصویر بلکہ ایک سچ۔ ایک ایسی حقیقت' ایک ایسی مٹھاس ہے جس کی آرزو' جس کی تمنا ہر انسان کی اولین خواہش ہے۔ یہ ایک سچا وعدہ ہے۔ یہ اس رب دوجہاں کی طرف سے انعام واکرام بخشش اور فضل کی اس انتہا کا نام ہے جسے رب نے خاص الخاص اپنے پیارے ان بندوں کے لئے بنایا ہے جو اس دنیا میں رہتے ہوئے یہاں کے کھوٹ کھپٹ سے دامن بچا کر صاف لے گئے اور مرنے کے بعد جب انہیں ابدی زندگی کی نوید سنائی گئی تو انہیں ان کے بہترین اعمال کے بدلے جنت میں داخلے کی نوید سنائی گئی۔ یہ وہ جنت اس دنیا کے تمام تر حسن و خوبصورتی کے معاملے میں لاکھوں درجے خوبصورت لامتناہی اور لامحدود ہوگی۔ اور اللہ کے نیک بندوں کو جزا کے طور پر ایسے بخش دی جائے گی کہ وہاں انہیں سلامتی خیر اور فرواں رزق کے ساتھ ساتھ امن اور تحفظ سکون اور شانتی کی ایسی فضا میسر آئے گی جس کا یہاں اس دنیا میں رہتے ہوئے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں اگر کوئی بہت امیر بھی ہے تو اس کا دل اس حد تک مطمئن شاداں اور پر سکون نہیں ہوتا کہیں اسے دور ڈاکو کا کھٹکا رہتا ہے' کبھی اسے اپنے کاروبار یا امور زندگی گھاٹے کا ڈر لگا رہتا ہے۔ کبھی اسے نفع نقصان کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ اس کے علاوہ ان گنت بیماریاں وناگہانی حادثات خوف اور اندیشے انسان کو چاروں طرف سے گھیرے رہتے ہیں۔ اگر امیر کبیر انسان کی حالت اندر سے اتنی شکستہ ہے تو ایک عام انسان کی حالت تو اس سے بھی زبوں تر ہوتی ہے۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے پیٹ پالنے ان کی ضروریات اور ان کے فرائض ادا کرنے کے ایک گھن چکر میں عمر بھر لگا رہتا ہے۔ ذہن الجھنوں پریشانیوں وسوسوں کی آماجگاہ بنا رہتا ہے اور انہی فرائض کو ادا کرتے کرتے وہ موت کی دہلیز پر پہنچ جاتا ہے اب رہا غریب انسان' جسے نہ پیٹ بھرنے کو کبھی اچھا کھانا میسر آیا۔ نہ تن ڈھانپنے کو کبھی ڈھنگ کا کپڑا ملا۔ کبھی بارش میں جھگی بہہ گئی یا کبھی آندھیوں کی نذر ہو گئی کبھی بچے بغیر علاج کے مر گئے۔ کبھی خود علاج میسر نہ آسکا۔ یہ کسمپرسی بے چارگی دکھ یہ مایوسی کی زندگی جو انسان جی کر چلا گیا لیکن اگر وہ نیک رہا۔ دنیا کے گرداب میں بھی اپنے اعمال کو درست رکھ سکا۔ تو ایسے ہر انسان کے لئے ایسا اجر ہے جس کا اس نے تصور بھی نہ کیا ہو۔ جنت میں نہ صرف یہ کہ انسان کی تمام تر جسمانی ضروریات کے احسن طریقے سے پورا ہونے کی نوید سنائی جارہی ہے بلکہ اس کی ذہنی روحانی بالیدگی کے ایسے سامان بھی مہیا کئے جائیں گے کہ اگر انسان ان نعمتوں کو شمار بھی کرنا چاہئے تو نہیں کر سکے گا۔

مولانا آپ عوام سے دور کیوں ہیں؟

خصوصی فیچر

رؤف ظفر

چھٹی کے روز عام طور پر گلیاں' سڑکیں اور کھلے میدان کرکٹ کے نو آموز کھلاڑیوں کی آماجگاہ بن جاتے ہیں اور راہ گیر تماشائیوں کا ان شوقیہ کھلاڑیوں کے گرد جمگھٹا لگ جاتا ہے۔ کسی کے گھر کی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹے یا گیند فضا میں بلند ہو کر ہمسایوں کی چھت پر جا گرے' ایک شور سا بلند ہو جاتا ہے اور چلتے پھرتے تماشائی' ایک لمحہ کے لئے داد دے کر اپنے کام کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک کرکٹ میچ میں جو کہ محلے کے ایک پارک میں کھیلا جا رہا تھا۔ جب ایک کھلاڑی نے ہٹ لگائی اور داد کا شور بلند ہوا تو راہ چلتے محلے داروں نے اس کھلاڑی کو ایک نظر دیکھا اور پھر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت و استعجاب سے دیکھا اور آپس میں تبصرہ کرنے لگے "لو..... ہمیں یہ دن بھی دیکھنے تھے محلے کی مسجد کے امام صاحب نے بھی اب کرکٹ کھیلنا شروع کر دی ہے غضب خدا کا آخر انہیں کون سی ایسی مجبوری تھی کہ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے"۔ انہوں نے ایک بار پھر مولوی صاحب کو دیکھا جو ہٹ لگانے کے بعد اپنی ٹوپی سیدھی کر رہے تھے جب تک یہ مولوی صاحب کریز پر موجود رہے دیکھنے والے حیرت کا اظہار کرتے رہے بعض نے تو دل ہی دل میں "لاحول ولاقوۃ" بھی پڑھ ڈالا۔

اسی طرح ... ایک اعلیٰ سرکاری افسر کا شمالی علاقوں کی سیر و سیاحت کے دوران سرکاری کالونی کی مسجد کے امام سے سامنا ہو گیا۔ وہاں رہائشی کالونی میں اس افسر کا مولوی صاحب سے کبھی کبھار سامنا ہو جاتا تھا۔ خاص طور پر جمعہ کی نماز میں تو ضرور ملاقات ہو جاتی۔ اب یہاں خوبصورت پہاڑیوں اور وادیوں میں' پرفضا مقام پر مولوی صاحب کو دیکھ کر انہیں سخت تعجب ہو رہا تھا۔ مصافحہ کے بعد ان کا پہلا سوال تھا" مولانا! آپ یہاں کہاں؟ آپ کو سیر و سیاحت کا شوق کہاں سے چرایا۔ پیچھے نمازیں کون پڑھائے گا؟" مولوی صاحب نے بتایا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ یہاں آئے ہیں۔ بچے ایک عرصہ سے تنگ کر رہے تھے۔ ان کے ایک دوست سرکاری افسر نے یہاں ریسٹ ہاؤس کا بندوبست کر دیا تھا۔ سرکاری افسر مولوی صاحب کے چلے جانے کے بعد دیر تک سوچتے رہے "عجب زندہ دل قسم کے مولوی صاحب ہیں۔ ایسے گھوم پھر کر اپنا قیمتی وقت ضائع کریں گے۔ معلوم نہیں مسجد کس کے سپرد کر آئے ہیں؟"

ایک انگلش میڈیم اسکول کی پرنسپل کو بھی اس وقت حیرت ہوئی جب ایک بچے کے داخلہ فارم پر انہوں نے والد کے پیشہ کے آگے "امام مسجد" کا لفظ لکھا ہوا دیکھا۔ وہ اس وقت نئے داخلوں کیلئے انٹرویوز لے رہی تھیں۔ انہوں نے لڑکے کے والد کو کمرے میں بلانے سے پہلے اپنا باریک سا دوپٹہ سر پر اوڑھ لیا اور بہت سنجیدہ ہو گئیں۔ انہوں نے مولوی صاحب سے سوال و جواب شروع کر دیئے جن کا مطلب یہ تھا کہ "مولانا صاحب! آپ اپنے بچے کو ادھر کیسے لے کر آ گئے۔ یہ انگلش میڈیم اسکول ہے۔ آپ کسی دینی درسگاہ کا رخ کریں۔ یہاں تو فیسیں بھی بہت زیادہ ہیں۔" مولانا نے بتایا کہ "انہوں نے ایم۔ اے اسلامیات کیا ہوا ہے اور ایک پوش آبادی میں واقع مسجد میں امامت کراتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ دینی کتابوں کی تالیف کا بھی شوق ہے اور انہیں اچھی خاصی رائلٹی مل جاتی ہے۔ اب وہ اسلامک سٹڈیز میں پی ایچ ڈی کا سوچ رہے ہیں ....." میڈم کو مولوی صاحب کی باتوں پر مشکل سے یقین آ رہا تھا۔ انہوں نے بچے کو داخلہ دے دیا لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی واضح کر دی کہ وہ اپنے بچے کے لئے فیس معاف کرنے کی درخواست نہیں دیں گے اور یہ کہ فیس ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو مل جایا کرے گی۔"

تقریباً" اسی قسم کا واقعہ ..... کمپیوٹر کی تعلیم دینے والے ایک جدید ادارے میں پیش آیا۔ اس ادارے میں بڑے گھرانوں کے مالدار نوجوان کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کرتے تھے ایک روز انہوں نے دیکھا کہ ایک باریش نوجوان کمپیوٹر کے "کی بورڈ" پر بیٹھا انٹرنیٹ کے کوڈ استعمال کر رہا ہے۔ اس نے اچانک گھڑی دیکھی اور کہا کہ "اوہ ..... مجھے تو نماز پڑھانے کے لئے جانا ہے" نوجوانوں نے پوچھا "پڑھنے کے لئے یا پڑھانے کے لئے" مولانا صاحب نے بتایا کہ وہ قریبی بلاک کی مسجد میں امامت کراتے ہیں اور کمپیوٹر کورس کے لئے انہوں نے داخلہ لیا ہے" نوجوانوں نے اس وقت تو کوئی تبصرہ نہ کیا البتہ بعد میں کہا کہ " وعظ و نصیحت اور امامت کرانے والے کا کمپیوٹر سے کیا واسطہ۔ اسے تو کسی دینی درسگاہ میں تعلیم حاصل کرنی چاہئے۔ پانچ وقت کی امامت ہی بڑی ٹف جاب ہے وہ یہ تعلیم کیسے حاصل کرے گا....."

اس دوران پرنسپل صاحب بھی آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ مولانا صاحب پہلے ہی کمپیوٹر کے کئی کورس کر چکے ہیں۔ اب وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ انٹرنیٹ پر قرآنی تعلیم کے فروغ کے کتنے امکانات ہیں۔ اسی لئے انہوں نے داخلہ لیا ہے۔ "پرنسپل صاحب دوسرے کمرے میں چلے گئے تو ایک منچلے نے کہا" خدا کرے وہ ایسا کر لیں لیکن اگر انہیں نکاح اور جنازے پڑھانے سے فرصت مل گئی تو....."

اور اب ذرا شہری زندگی سے ہٹ کر.....

اوکاڑہ کے نزدیکی دیہات میں ایک مسجد کے پیش امام نے کچے کوٹھے میں زندگی کے آخری سانس لئے تو اس وقت اس کے پاس بیوی بچوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ مولوی صاحب نے اپنی زندگی کے 35 برس اس مسجد میں امامت کرتے ہوئے گزار دیئے تھے لیکن اب اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جہاں سے چلا تھا وہیں کا وہیں کھڑا ہے۔ دمے کی بیماری کے بعد اس کے بڑے بیٹے نے اس کی جگہ امامت کے فرائض سنبھال لئے تھے۔ دوسرا بیٹا ایک زمیندار کا مزارع تھا۔ دو بیٹیاں ابھی بیاہنے والی تھیں اور گھر میں درس دیتی تھیں۔ اسے افسوس اس بات کا تھا کہ جو لوگ دن میں پانچ مرتبہ تعظیم اور تکریم کے ساتھ ملتے تھے اب اس کی زندگی سے بالکل نکل گئے تھے اور بہت کم لوگ اس کی بیمار پرسی کے لئے خود اس کے گھر چل کر آئے۔ اکثر نمازی صرف اس کے بیٹے سے ہی اس کا حال چال پوچھ لیتے حتی کہ گاؤں کے جو لڑکے اس کی دعاؤں اور نیک تمناؤں سے ڈاکٹر اور انجینئر بن گئے تھے یا اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز تھے اور اس سے بچپن میں قرآن شریف پڑھ چکے تھے انہوں نے بھی کبھی اس کی خبر نہ لی اور یہ بھی نہ پوچھا کہ علاج معالجہ کے اخراجات کہاں سے پورے ہو رہے ہیں شدید بیماری میں بھی مولوی صاحب کو یہ احساس دامن گیر رہا کہ کیا امامت کے دوران اس کا لوگوں سے تعلق محض تقریبات اور نمازوں کے وقت صرف رسمی سی مسکراہٹ اور دعا سلام تک محدود تھا جو مسجد سے باہر نکلتے ہی ختم ہو گیا ہے؟ شاید اسی واجبی سے تعلق کی وجہ سے وہ لوگوں کے دلوں میں اپنے تعلقات کی جڑیں مضبوط نہیں بنا سکا۔

قربت کے باوجود دوری.....

مسجد کے پیش امام کی طرح ..... ہمارے معاشرے میں شاید ہی اور کوئی شخص ایسا ہو جو ہم سے انتہائی نزدیک اور ہماری سانسوں اور زندگیوں میں رچ بس جانے کے باوجود ہم سے اتنا دور ہو..... آپ لاکھ کہتے رہیں کہ یہ مولوی' مولانا' قاری' پیش امام' آئمہ مساجد (آپ چاہے انہیں جو نام بھی دے دیں) دن رات ہمارے درمیان زندگی بسر کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے اور معاشرے کے دوسرے لوگوں کے درمیان ایک باریک سا پردہ حائل ہے جو نظر نہیں آتا لیکن اپنے دامن میں صدیوں کا فاصلہ سمیٹے ہوئے ہے وہ ہماری زندگیوں میں بہت زیادہ دخیل ہونے کے باوجود ہم سے دور ہے۔ بلاشبہ وہ ہماری زندگیوں کا محور ہے لیکن اگر فاصلہ ماپیں تو یہ مریخ سے بھی دور نظر آئے گا۔ نومولود بچے کے کان میں اذان دینے سے نماز جنازہ پڑھانے تک..... زندگی کے آغاز سے لے کر انجام تک وہ ہر لمحہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ نکاح کی کوئی تقریب اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی پانچوں نمازوں کے وقت ہمارے ہاتھ اس کے ساتھ دعا کے لئے اٹھتے ہیں' جمعہ اور عیدین کا خطبہ ہم سر جھکا کر سنتے ہیں۔ ماہ رمضان المبارک کی تراویح ہوں یا عید میلادالنبی ﷺ کے اجتماعات ہماری آنکھیں اسی پر لگی رہتی ہیں لیکن ہماری زندگیوں پر اس حد تک حاوی ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو معاشرے میں پوری طرح ضم نہیں کر سکا۔ وہ اپنی لگی بندھی زندگی اور مخصوص اوقات میں لپٹے ہوئے شب و روز کے محور سے ہٹ کر جب کبھی ادھر ادھر دوسری معاشرتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی کوشش کرتا ہے تو اپنے آپ پر دروازے بند پاتا ہے یا خود کو اجنبی محسوس کرتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم اسے کسی کھیل کے میدان میں پاکر' کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا دیکھ کر یا کسی تفریحی پروگرام کو انجوائے کرتے ہوئے دیکھ کر حیرت کا اظہار نہ کرتے اور ہماری بھنویں نہ تن جاتیں۔ آخر ایسا کیوں ہے کہ دینی شعائر کی انجام دہی کے بعد ہمارا رابطہ اس سے ایسے ٹوٹ جاتا ہے جیسے بجلی کا بٹن آف کر دیا جائے!

"مولانا! آپ لوگوں سے دور کیوں ہیں؟ یا لوگ آپ سے دور کیوں ہیں"

جب میں نے یہ سوال آئمہ مساجد' علمائے کرام اور ریسرچ سکالرز کے سامنے رکھا تو معاشرے کے اس اہم ترین گوشے کے کئی دلچسپ پہلو بے نقاب ہوئے۔

"آئمہ مساجد اور علمائے کرام کی عام لوگوں سے دوری (Isolation) کا مسئلہ 30,20 برس پہلے اجاگر ہو رہا تھا۔ جب ایوب کے دور میں پورے ملک میں آئمہ مساجد کو فعال اور موثر بنانے کے لئے ہم نے ایک ہمہ گیر سروے کیا تھا۔" اس امر کا انکشاف محکمہ اوقاف پنجاب کے سابق ایجوکیشنل ایڈوائزر اور عالم دین اسی سالہ علامہ شبیر بخاری نے کیا۔ انہوں نے کہا کہ "ہم نے چاروں صوبوں کے چار ہزار سے زائد آئمہ مساجد کے انٹرویوز کئے تھے اور ان کی تعلیمی قابلیت اور سوشل اسٹیٹس کا اندازہ لگایا تھا' ہمیں یہ جان کر دکھ ہوا کہ ان میں سے اکثریت کی دینی اور دنیاوی تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔ معاشرتی زندگی میں ان کا کردار واجبی سا تھا۔ دیہات میں تو انہیں پانچویں کمی کی حیثیت حاصل تھی اور بڑا زمیندار اور جاگیردار جب دوسرے چھوٹے طبقے کے لوگوں کے لئے فصل میں سے حصہ نکالتا تو امام مسجد کے لئے بھی حصہ مختص کرتا۔ کسی مولوی یا مولانا میں اتنی جرات نہ تھی کہ وہ کوئی بھی ایسی بات کرتا جس سے جاگیردار یا چوہدری پر حرف آتا ہو۔ ہمارے علم میں بعض ایسے واقعات بھی آئے کہ کسی مولوی نے جاگیردار کے خلاف بات کی تو اسے قتل کر دیا گیا۔ اقتصادی طور پر دوسروں کا محتاج ہونے کی وجہ سے یہ طبقہ ہمیشہ ذہنی طور پر دبا دبا رہا اور اس میں کبھی برابری کی سطح پر معاشرتی اور تعمیراتی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لینے کی جرات پیدا نہ ہوئی۔ وہ بھی اپنے دینی امور میں مگن ہو کر الگ تھلگ زندگی گزارنے کا خوگر ہو گیا تھا" علامہ شبیر بخاری نے کہا کہ "ایوب خان کے دور میں ہم نے پہلی مرتبہ ان آئمہ مساجد کا ڈیوٹی چارٹ مرتب کیا اور ان کی دینی درسگاہوں کے نصاب پر بھی نظر ثانی کر کے اس میں کئی نئی چیزیں شامل کیں ان آئمہ کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی بندوبست کیا گیا۔ نواب آف بہاولپور نے اس زمانے میں پاکستان اور ہندوستان کے علمائے کرام کو جمع کر کے آئمہ مساجد کے لئے جدید نصاب مرتب کیا۔ اس زمانے میں ملک

طلبہ کو آمنے سامنے بٹھا دیا جائے تو ان کی طرز فکر' انداز گفتگو' رہن سہن' اٹھنے بیٹھنے کے طور طریقوں میں زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ یہ فرق زندگی کے تمام شعبوں میں دکھائی دیتا ہے چونکہ ہمارے یہاں 90 فیصد افراد انہی جدید اسکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ ہیں اس لئے مولوی حضرات پس منظر میں معلوم ہوتے ہیں اور کم تعداد کے باعث معاشرتی سرگرمیوں پر ہمہ گیر اثرات کے حامل نہیں۔ لوگ ان سے اعلیٰ اسلامی اقدار کی توقع رکھتے ہیں جبکہ بعض اوقات وہ خود اس معیار پر پورا نہیں اترتے۔ اس میں شک نہیں کہ لوگ نومولود کے کان میں اذان دینے سے' نماز جنازہ تک ان کے محتاج ہیں لیکن تلخ حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں ان کی شرکت صرف انہی ارکان اسلام تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پانچ وقت نماز کی امامت بھی ایک گران بہا فریضہ ہے لیکن دیہات میں خاص طور پر دیکھا گیا ہے کہ ان فرائض کی بجا آوری کے علاوہ عام معاشرتی اور سماجی زندگی میں ان پر الگ تھلگ ہونے کی چھاپ نمایاں نظر آتی ہے۔ سماجی برائیوں' کرپشن' ملاوٹ' غلط رسومات' نمائش پسندی' بڑھتے ہوئے جرائم اور فرقہ واریت کے خلاف اس کا وعظ بڑے شوق سے سنا جاتا ہے لیکن عملاً" ان برائیوں کے خلاف جہاد میں اس کا وجود کہیں نظر نہیں آتا میرے نزدیک اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ آئمہ کرام اور دینی درسگاہوں کو حکومت کی سرپرستی حاصل نہیں جس کی وجہ سے وہ دوسرے اداروں کی طرح ترقی نہیں کر سکے اپنے پرانے نصاب اور جدید تعلیم کے فقدان کے سبب اکثر آئمہ حضرات بالخصوص دیہات میں رہنے والے نیم خواندہ آئمہ مذہب کے بارے میں نوجوانوں کے دل میں پیدا ہونے والے سوالات کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکتے۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کی زبوں حالی اور اسلامی تعلیمات کے برعکس معاشرتی برائیوں اور دیگر سنگین مسائل دیکھ کر انہیں یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ خدانخواستہ ان علماء کے پاس عہد حاضر کے مسائل کا کوئی حل نہیں۔ ان حالات میں اسلامی تعلیمات کا درس دینے اور تبلیغ کرنے والوں کا ایک ایسا طبقہ تصور ہونے لگا ہے جس کی باتوں اور وعظ و نصیحت میں کوئی اثر نہیں۔ جبکہ معاشرے میں لوگ دوسرے نظریات اور تصورات کو بڑی تیزی سے اپنے ذہنوں میں سمو رہے ہیں۔ میرے نزدیک اس صورتحال میں کچھ قصور آئمہ حضرات کا بھی ہے لیکن زیادہ ذمہ داری عمائدین حکومت کی رہی جنہوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت علمائے کرام کو کارنر کرنے اور مغربی تعلیم کو عام کرنے کی پالیسی اپنائی۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ دینی مدرسوں کی اکثریت' چندوں اور عطیات پر چلتی ہے یا پھر علمائے دین اپنی دن رات کی محنت سے یہ چراغ جلاتے ہیں لیکن اگر وہ مالی محتاجی اور اقتصادی غلامی سے آزاد ہو جائیں تو ان کی فکری اور علمی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہو سکتا ہے اور وہ بھرپور اعتماد کے ساتھ بات کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آئمہ کرام کو فرقہ واریت کے خلاف بھی صدق دل سے جدوجہد کرنی چاہئے۔ فرقہ واریت کے بارے میں ایک رپورٹ کے مطابق 97ء میں دہشت گردی 450 فیصد زیادہ ہو گئی اور سینکڑوں افراد مارے گئے۔ ان حالات میں مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء پر عوام کا اعتماد مجروح ہو گیا ہے اور وہ عام لوگوں سے دور ہو گئے ہیں۔

چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت میاں محبوب احمد کا کہنا ہے کہ ہمارے یہاں بہت سے مسائل کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے مسٹر اور ملا کو تقسیم کر دیا ہے اور ایک ایسی تعلیم جسے زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہونا چاہئے تھا۔ دو خانوں میں بٹ کر رہ گئی ہے اس لئے ہماری معاشرتی زندگی پر بھی مسٹر اور ملا کی الگ الگ مہریں نظر آتی ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے سے دور دور رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تعلیم و تربیت میں یہ تبدیلی انگریزوں نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت کی تھی۔ اگر عہد حاضر کے چیلنجوں اور اسلام دشمن سازشوں کا مقابلہ کرنا اور استعماری قوتوں کو ناکام بنانا ہے تو پھر ہمیں مسٹر اور ملا کی تقسیم ختم کر کے جدید اور قدیم علوم کو یکساں اہمیت دینا ہوگی۔ .بشکریہ جنگ میگزین

ایک امام مسجد کی زندگی کیسے گزرتی ہے؟

اندرون شہر (لاہور) کے ایک گنجان آباد علاقے میں واقع ایک امام مسجد نے بتایا کہ ان کی زندگی کا ایک دن کیسے گزرتا ہے؟

مولانا حافظ غلام مرتضیٰ کے مطابق "وہ روزانہ سحری کے وقت جاگتے ہیں۔ وہ ایک مقدس پیشے سے وابستہ ہیں' جس کے اوقات کار دنیا میں سب سے پہلے شروع ہوتے ہیں وہ بیدار ہو کر پہلے غسل کرتے ہیں۔ اذان اور نماز میں نصف گھنٹے کے وقفہ کے دوران تلاوت کرتے ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد اسکول کے بچے اور بچیاں قرآن شریف پڑھنے آتے ہیں یہ سلسلہ اسکول جانے تک رہتا ہے۔ بچوں کے جانے کے بعد وہ ناشتہ کر کے خود ایک دینی مدرسے میں تعلیم کے لئے جاتے ہیں۔ اس دوران مسجد بند رہتی ہے۔ ان کی واپسی ساڑھے بارہ بجے ہوتی ہے۔ کئی لوگ مسئلے مسائل پوچھنے آتے ہیں۔ ظہر' عصر اور مغرب کی نمازوں میں وقفہ کم ہوتا ہے۔ اس لئے وہ کہیں نہیں جا سکتے' موقع ملے تو آرام بھی کر لیتے ہیں عصر کے وقت بھی بچے پڑھنے آتے ہیں۔ قرآن حفظ کرنے والے کئی بچے دہرائی کرتے ہیں۔ مغرب اور عشاء کے درمیان کھانا کھاتے ہیں۔ عشاء کے بعد دینی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں یا علمائے کرام کے لیکچرز کی کیسٹس سنتے ہیں۔ وہ جلدی سو جاتے ہیں کیونکہ صبح جلدی اٹھنا ہوتا ہے" مولانا نے کہا کہ "وہ مخصوص اوقات میں لگی بندھی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ تفریح کے نام سے بھی ناآشنا ہیں۔ ایک بار وہ ایک دوست کے گھر ٹی وی پر کرکٹ میچ دیکھ رہے تھے جس پر مسجد کی انتظامیہ کمیٹی نے اعتراض کیا تھا۔ انہیں کئی بار نوجوانوں کے طنزیہ جملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مثلاً" ایک بار ریڈیو پر بی بی سی کی خبریں سنتے وقت اور دوسری بار اس وقت جب انہوں نے ذرا شوخ رنگ کا کرتہ پہنچا ہوا تھا۔

انہیں ماہانہ ڈھائی ہزار تنخواہ ملتی ہے۔ رہائش مسجد سے ملحقہ ہے۔ بچوں کے سپاروں کے ختم اور عقیقہ اور نکاح وغیرہ کے موقع پر بھی کچھ نہ کچھ مل جاتا

کے مختلف حصوں میں کئی اکیڈمیاں قائم ہوئیں جن میں خصوصی کلاسز کا اجراء کیا گیا۔ آئمہ مساجد کے لئے سال میں جمعہ کے 52 خطبات عربی اور اردو میں ترتیب دیئے گئے۔ پنجاب میں مساجد اور مزدوروں کے انتظام وانصرام کے لئے محکمہ اوقاف بنایا گیا۔ یوں ایک اچھے کام کا آغاز تو ہو گیا لیکن بعد ازاں یہ اتنی شد ومد سے جاری نہ رہ سکا جس عزم کے ساتھ شروع کیا گیا تھا۔

حکومت بھی ان مولانا اور مولوی حضرات سے لاتعلق رہی اور ان کی سرکاری سرپرستی نہ کی جس کی وجہ سے یہ پودا ایک الگ فضا میں پروان چڑھتا رہا۔ آج یہ لوگ ہمارے درمیان رہتے ہوئے بھی ہماری معاشرتی زندگی میں اتنے دخیل نہیں جتنا ہونا چاہئے تھا۔

علامہ شبیر قادری نے کہا کہ اصل میں دین اسلام میں دین اور دنیا میں مثنویت نہیں ہے اور آئمہ مساجد کا صرف یہی فریضہ نہیں ہے کہ وہ صرف امامت کرائیں یا دینی تقریبات اور تہواروں کی انجام دہی تک خود کو محدود رکھیں بلکہ ان سے زندگی کے تمام شعبوں میں فعال کردار ادا کرنے کی توقع کی جاتی ہے۔ اسلام کی ابتدا سے ایسا ہی تھا۔ جب آنحضرت رسول اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے عہد مبارک میں تمام مسائل زندگی مساجد کے اندر طے پاتے تھے۔ یہاں مختلف مسائل طے کرنے کے لئے مجالس شوریٰ منعقد ہوتی تھیں اور وقت ہونے پر عمائدین حکومت نماز کی امامت بھی کراتے تھے۔ حکومت کے مہمان وفود مساجد میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ قرون اولیٰ میں مساجد ہی ہماری پارلیمنٹ ہاؤس تھیں لیکن مساجد کو صرف نمازوں کے لئے مختص کرنے اور آئمہ کو صرف دینی رسومات تک محدود کرنے کی رسم اس دور کا کرشمہ ہے جب اسلام میں امور مملکت اور شریعت کو دو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہ تفریق برصغیر اور ایسے ملکوں میں بہت زیادہ ہے جہاں لوگ عربی زبان سے ناواقف ہیں چونکہ قرآن حکیم عربی زبان میں ہے اور اسلام کے بیشتر امور اسی زبان میں انجام دیئے جاتے ہیں اس لئے عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے آئمہ مساجد اور علمائے کرام کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ اس سے آئمہ کا ایک علیحدہ طبقہ وجود میں آگیا جو دین اسلام کو سمجھانے پر قدرت رکھتے تھے ورنہ جن ملکوں میں عربی بولی اور سمجھی جاتی ہے وہاں آئمہ مساجد کی علیحدہ کوئی تخصیص نہیں ہے وہاں کوئی بھی شخص امامت کروا سکتا ہے البتہ نماز جمعہ اور عیدین کے خطبات کے لئے علیحدہ سے امام مقرر ہیں۔

شبیر بخاری صاحب کے بقول "ہمارے یہاں ملک بھر میں لاکھوں مساجد چند گھنٹوں کے لئے نماز ادا کرنے کے بعد تقریباً" فارغ رہتی ہیں اور اب تو چوری چکاری اور تخریب کاری کے خدشے کے پیش نظر انہیں تالا لگا دیا جاتا ہے حالانکہ ان مساجد سے بچوں کی درس وتدریس اور نکاح جیسی دوسری مجلسی تقریبات کا کام لیا جا سکتا ہے۔ پنجاب میں دس پندرہ سال قبل ان مساجد میں مکتب اسکول قائم کئے گئے تھے جن میں محلے کے بچوں کو پرائمری تک تعلیم دی جاتی تھی لیکن یہ منصوبہ پروان نہ چڑھ سکا۔ حکومت اگر ملک سے ناخواندگی ختم کرنا چاہتی ہے تو وہ اس کو پھر سے شروع کر سکتی ہے جہاں تک آئمہ مساجد کے عام زندگی میں بھرپور حصہ نہ لینے کا تعلق ہے تو یہ سو فیصد درست نہیں بلکہ یہ لوگ تو زندگی کی ہر خوشی میں ہمارے ساتھ ہوتے ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ وہ عام زندگی میں سنجیدہ ہوتے ہیں اور کھیل کامیدان ہو یا تفریح کا کوئی سامان..... وہ ہمیں بہت کم نظر آتے ہیں لیکن میرے خیال میں یہ ان کے منصب اور فرائض کی نوعیت کا تقاضہ ہے کہ وہ عملی زندگی میں دوسروں کی طرح ہنسی مذاق وغیرہ میں حصہ نہ لیں"۔

خطیب جامعہ رسولیہ بلال گنج لاہور کے مولانا رضائے مصطفیٰ نقشبندی کے خیال میں آئمہ مساجد اور عوام کے درمیان رابطے کے فقدان کی بنیادیں اس وقت رکھی گئیں جب انگریزوں نے برصغیر میں قدم جمانے کی کوشش کی۔ اس نے سب سے پہلے دینی اداروں اور علمائے کرام کے تقدس کو پامال کر دیا۔ اس نے دستار جیسے مقدس پہناوے کو دفتری خدمت گاروں کا لباس بنا دیا۔ ایسی مثالیں بھی ہیں کہ کمرے میں انگریز افسر خود قلم گرا دیتا اور پھر مسلمان چپراسی کو بلا کر اسے فرش سے اٹھانے کو کہتا۔ اس طرح دستار کو جھکتے دیکھ کر وہ تسکین محسوس کرتا۔ اس نے دینی درسگاہوں کو تباہ کر کے دنیاوی تعلیم کو فوقیت دی۔ انگریز چاہتا تھا کہ مولویوں کا طبقہ اپنی موت آپ مر جائے۔ پھر لارڈ میکالے کے نظام تعلیم نے یہ کسر پوری کر دی جب دینی اور دنیاوی تعلیم علیحدہ علیحدہ خانوں میں بٹ گئی تو علمائے دین اور عام لوگوں کے درمیان بعد پیدا ہو گیا اور اس تفاوت اور علیحدگی کے اثرات آج تک ہماری سماجی زندگی پر نظر آتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ مولانا کے الفاظ بعض اوقات کسی کا مذاق اڑانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اور جو شخص روشن خیال یا جدید سوچ کا حامل نہ ہو تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ "یہ تو نرا مولوی ہے" بے شک اس تفاوت کا بیج انگریزوں نے سازش کے تحت بویا' لیکن اس میں ہمارے اپنے فکری اور تہذیبی زوال کا عمل دخل بھی ہے جو انگریزوں کی آمد کے وقت خود ہماری قومی اور سماجی زندگی میں داخل ہو چکا تھا۔ حقیقی اسلام سے دوری کے سبب ہم اندر سے کھوکھلے ہو چکے تھے آج بھی صورتحال کچھ مختلف نہیں دین اور دنیا دو مختلف خانوں میں بٹے ہوئے ہیں اور دنیاوی تعلیم کو چونکہ مختلف حکومتوں کی بھرپور سرپرستی حاصل رہی ہے۔ اس لئے دینی تعلیم کے علمبردار اور آئمہ حضرات پیچھے رہ گئے آج پوری دنیا سرکاری اور پرائیویٹ یونیورسٹیوں کی ڈگریوں کے پیچھے پاگل ہو رہی ہے جبکہ اعلیٰ دینی درسگاہیں برسوں کی تعلیم کے بعد جو ڈگریاں دیتی ہیں حکومتی فیصلے کے باوجود (جو جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں کیا گیا تھا) انہیں تسلیم نہیں کرتی۔ مولانا رضائے مصطفیٰ ﷺ نے کہا کہ حکومت کی انہی متضاد پالیسیوں کے سبب اگر دینی درسگاہوں اور دنیاوی یونیورسٹیوں بالخصوص انگلش میڈیم اداروں سے فارغ التحصیل

ہے۔ لیکن یہ سارا معاوضہ موجودہ کمر توڑ مہنگائی میں اتنا قلیل ہے کہ وہ قسطوں پر سائیکل بھی نہیں لے سکتے۔ وہ اپنے دینی فرائض کی انجام دہی کے دوران کسی قسم کی رخصت لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کی جگہ پر نائب امام نہیں ہے۔ حافظ صاحب نے اعتراف کیا کہ آئمہ صاحبان زندگی کے لگے بندھے معمولات میں اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ انہیں عام لوگوں سے قریب ہونے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ مولانا صاحب نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ بعض والدین اپنے بچوں کے بارے میں ان پر اعتماد نہیں کرتے۔ اسی طرح لوگ انہیں سخت گیر' قدامت پرست اور عورتوں اور بچوں کی آزادی کے خلاف سمجھتے ہیں جو درست نہیں ہے۔"

اہم ترین کام۔ سب سے کم معاوضہ

پنجاب کے چھوٹے بڑے شہروں میں بے شمار مساجد ہیں' جہاں پانچ وقت لاکھوں آئمہ اور خطیب امامت کراتے ہیں تاہم ان میں سے صرف 390 مساجد ایسی ہیں جہاں اوقاف پنجاب سے تربیت یافتہ' آئمہ خطباء اور موذن تعینات ہیں۔ محکمہ اوقاف کے آئمہ کو ساتواں گریڈ اور ڈسٹرکٹ خطیب کو چودھواں گریڈ ملتا ہے۔ یہ تنخواہ بھی بمشکل ڈھائی تین ہزار بنتی ہے جو موجودہ مہنگائی میں انتہائی قلیل ہے جبکہ ان کے علاوہ لاکھوں آئمہ مالی مشکلات سے دوچار ہیں۔ ایک دینی تعلیم کے سروے سے معلوم ہوا ہے کہ لاہور اور دیگر بڑے شہروں میں آئمہ حضرات کی اکثریت دیہات سے آئی ہوئی ہے جو واجبی تعلیم محدود ذہنی سطح اور پس ماندہ ماحول میں پرورش کی وجہ سے پڑھے لکھے اور روشن خیال عوام کی معاشرتی زندگی میں نمایاں کردار ادا کرنے کے قابل نہیں۔ مسجد حضرت داتا گنج بخش لاہور کے خطیب علامہ مقصود احمد قادری کے مطابق اگر آئمہ کرام کی اکثریت عام لوگوں سے دور ہے تو اس کی بنیادی وجہ وہ نیم ملا قسم کے لوگ ہیں جو مناسب تعلیم و تربیت سے عاری ہیں البتہ جہاں صحیح علماء ہیں وہاں ٹھیک کام ہو رہا ہے انہوں نے تجویز پیش کی کہ تمام آئمہ مساجد کے لئے تصوف' علم طب اور درس نظامی کی تعلیم لازمی قرار دی جائے نیز دینی مدارس کے نصاب کو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔

پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ مساجد کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی جو مدینہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل بھی ہیں انہوں نے کہا کہ آئمہ مساجد اور عوام کے درمیان فاصلوں کی جڑیں بہت گہری ہیں اور اس کے ڈانڈے انگریز دور سے ملتے ہیں جب اس نے ہمارے ایک قدیم ترین تربیتی ادارے "امام مسجد" کو بالکل تباہ کر کے رکھ دیا۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے ہمارے ہاں صورت یہ تھی کہ دینی مدارس سے ملحقہ بڑی بڑی جائیدادیں تھیں جن کی آمدنی سے خطباء' آئمہ اور علمائے کرام عزت و آبرو کی زندگی بسر کرتے تھے انگریزوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مساجد اور دینی اداروں سے ملحقہ ان جائیدادوں کو ضبط کر لیا صرف کلکتہ میں آٹھ سو دینی مدارس کی پراپرٹی ضبط کی گئی دیہات میں انگریز نے یہ مذموم اقدام کیا کہ مدارس کی زمینیں ضبط کر کے مولویوں کو ان پرانے احاطوں میں دھکیل دیا جہاں دوسرے کمی کمین اور نچلی ذات کے لوگ رہتے تھے۔

اس طرح انگریزوں کی اس حرکت سے آئمہ اور مولوی حضرات کا شمار بھی انہی پسے ہوئے غریب لوگوں میں ہونے لگا جو عزت و وقار سے محروم تھے ہم نے قیام پاکستان کے بعد ان دینی رہنماؤں کی عزت و احترام کو بحال کرنے کے لئے کوئی کام نہیں کیا ایوب خان کے دور میں اوقاف کا محکمہ ضرور بنایا گیا لیکن میرے نزدیک اس کا مقصد صرف نفع بخش دینی اداروں اور مزاروں کی پراپرٹی پر قبضہ کرنا تھا یہی وجہ ہے کہ آج شہروں اور دیہات میں نوے فیصد ایسی مساجد جو کہ حکومت کے لئے فائدہ مند نہیں پرائیویٹ طور پر چل رہی ہیں' المیہ یہ ہے کہ ان مساجد میں آئمہ اور خطباء کی اکثریت ان پڑھ اور نیم خواندہ ہے ایک تو وہ مناسب تعلیم سے عاری ہیں دوسرا انہیں جو معاوضہ ملتا ہے وہ شرمناک حد تک کم ہے۔ ہم انہیں پرائمری سکول کے ٹیچر سے بھی کہیں کم معاوضہ دیتے ہیں ان حالات میں ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ معاشرے میں (Opinion Maker) ثابت ہوں گے یا برابری کی سطح پر بات کریں گے اور سماجی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیں گے بالکل غلط ہو گا اس مسئلے کا ایک حل یہ ہے کہ ملک میں دینی اداروں کے دائرہ کار کو ہر امام مسجد تک پھیلا دیا جائے اور دینی درسگاہوں کی اسناد کو سرکاری سطح پر تسلیم کیا جائے۔ میرے نزدیک اس وقت پاکستان میں فقہ خفیہ کے تمام مکاتب فکر اپنی اپنی جگہ پر مناسب کام کر رہے ہیں دیکھا جائے تو ان میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں البتہ ان کی دینی اور تدریسی کاوشوں کو تھوڑا سا پالش کرنے کی ضرورت ہے پنجاب یونیورسٹی کے اسلامک سنٹر میں بھی آئمہ کے لئے ریفریشر کورسز منعقد ہو سکتے ہیں تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی مالی دشواریوں کا بھی مداوا کر دیا جائے تو پھر کوئی شخص یہ سوال نہیں کرے گا کہ "مولانا آپ عوام سے دور کیوں ہیں؟"

ایک وجہ یہ بھی ہے!

گورنمنٹ اینگلو محمڈن اور نیشنل کالج لاہور میں اسلامیات کے پروفیسر حافظ ظہور احمد نے کہا کہ یوں تو عام لوگوں سے' مولانا کی دوری کی بیسیوں وجوہات گنوائی جا سکتی ہیں تاہم میرے نزدیک ایک بڑی وجہ بعض دینی درس گاہوں میں فرقہ واریت کا فروغ بھی شامل ہے۔ انہوں نے کہا 1997ء میں پنجاب حکومت کی ایک خصوصی رپورٹ میں یہ بتایا گیا تھا کہ پنجاب میں دینی مدرسوں کی تعداد 2515 ہے جن میں سے 750 کے بارے میں شبہ ہے کہ یہ اسلام کی بجائے اپنا مسلک پھیلا کر دہشت گردی کا سبب بن رہے ہیں۔ 800 مدرسے حکومت کے زکوۃ فنڈ سے اور 1700 غیر ملکی امداد سے چلنے والی تنظیموں کی زیر نگرانی کام کر رہے تھے۔ رپورٹ کے مطابق پنجاب

باقی صفحہ 57 پر ملاحظہ فرمائیں

مجلس ذکر

پروفیسر حافظ عبدالرزاق

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ طرز بود وباش کے اعتبار سے لوگ دو قسم کے پائے جاتے ہیں۔ اول وہ جن کا نظریہ ہوتا ہے "تو با زمانہ بساز" یعنی "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی"۔ ایسے لوگ کوتاہ اندیش تو ہوتے ہیں۔ مگر اکثریت میں ہوتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ اس میں محنت کم ہوتی ہے جیسے دریا کے بہاؤ کے رخ تیرنا بڑا آسان ہوتا ہے دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کا نظریہ یہ ہوتا ہے "اگر زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز" یہ کام ذرا مشکل ہے۔ خصوصاً" جب دریا طغیانی پر ہو اور بہاؤ کے رخ کے خلاف تیرنا پڑے تو جان کھپانی پڑتی ہے۔ ایسے لوگ یقیناً" بلند ہمت اور دور اندیش ہوتے ہیں۔

جب کسی معاشرے میں خدا بیزاری کا سیلاب آچکا ہو اس میں خدا لگتی کہنا یا نفس کی خواہشات اور لذت پرستی اور رسم ورواج کے خلاف اللہ سے رشتہ جوڑنے کی فکر کرنا تو خواہ مخواہ نکو بننا ہوتا ہے۔ اس لئے غالب امکان ہے کہ آپ کے احباب اور رشتہ دار آپ سے سوال کرتے ہوں گے کہ آپ "منارہ" کیوں جا رہے ہیں یا ہر سال کیوں جاتے ہیں۔ ایسے سوالات کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ وہ حقیقت جاننا چاہتے ہیں بلکہ آپ کو اس کام سے روکنا یا کم از کم تردد پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے اس امر کا بھی امکان ہے کہ خود آپ کے اندر سے کبھی ایسا سوال ابھرے ایسے حالات، میں اگر آپ اپنے مقصد سے شعوری تعلق اور قلبی لگاؤ رکھتے ہیں تو اپنے آپ کو مطمئن کر ہی لیں گے مگر ممکن ہے احباب کو مطمئن کرنا آپ کے بس کی بات نہ ہو۔

اس سوال کا جواب معلوم کرنا آپ کے لئے ضروری ہے۔ سادہ سی حقیقت تو یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب سے شناسائی حاصل کرنے کے لئے اسی کا بتایا ہوا نسخہ یعنی ذکر الٰہی شروع کردیا ہے اور یہاں ہر سال اس فن کا ریفریشر کورس ہوتا ہے تاکہ اس کام میں تازہ لگن پیدا ہو۔ اس سلسلے میں مزید ہدایات حاصل کی جائیں۔ اپنی گزشتہ محنت کا جائزہ لیا جائے اور آئندہ کے لئے محبت سے کام کرنے کا سلیقہ سیکھا جائے مگر خدا بیزار ماحول میں یہ کام بالکل اجنبی سا لگتا ہے لہٰذا آپ کو اس ذہنی دباؤ اور اس تہذیبی یلغار کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

ذکر الٰہی بذات خود مقصد کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ رب کریم نے اپنی آخری کتاب میں بار بار صرف اس کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ اس کے ساتھ اکثر مقامات پر "کثیر" کی قید بھی لگا دی اور بندہ کا کام آقا کے حکم کی تعمیل کرنا ہی ہوتا ہے بلکہ تخلیق انسانی کا مقصد ہی یہ بتایا گیا ہے کہ "جو میں کہوں وہی کرو"۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون(51-56) یہی خلاصہ ہے ایک لحاظ سے یہ ذریعہ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے اور قرب الٰہی کا حصول اعلیٰ ترین مقصد ہے بلکہ اصل مقصد ہی یہی ہے اسی کا نام درجہ احسان ہے۔ اسی کے لئے تصوف وسلوک کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

کچھ سادہ لوح اس مشکل میں پھنس جاتے ہیں کہ تصوف وسلوک کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ایک لحاظ سے یہ اچھی بات ہے کہ آدمی ہر معاملے میں محتاط روش اختیار کرے اور بلا سوچے سمجھے اور بلا دلیل کسی بات پر یقین نہ کرے مگر اس لحاظ سے یہ سوال بڑی جرات کا اظہار ہے۔ اللہ کی کتاب۔۔ اللہ کے رسول کا اسوہ حسنہ اور صلحائے امت کے صدیوں کے تعامل سے صرف نظر کرکے ہی آدمی یہ اقدام کر سکتا ہے۔

کتاب اللہ میں قرب الٰہی حاصل کرنے کا حکم موجود ہے اور حکم بھی واضح کہ واقترب(96-91) دوسرے مقام پر اہل قرب کی تعریف ان الفاظ میں ملتی ہے کہ والسابقون السابقون اولیک المقربون۔ (اور آگے بڑھنے والے وہی تو مقربین ہیں)۔ آگے بڑھنے والے کا لفظ نہایت دقیق مفہوم کا حاصل ہے۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان بزبان حق نبی آخر الزمان ﷺ

من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا ومن اتانی یمشی اتیتہ ھرولہ "جو شخص میری طرف ایک بالشت چل کر آیا میں اس کی طرف ایک ہاتھ جاتا ہوں۔ اور جو میری طرف ایک ہاتھ چلتا ہے میں اس کی طرف ایک کلاچ (کھلے ہوئے دو ہاتھ) آتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں"۔

معلوم ہوا کہ قرب الٰہی کا حصول اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک بڑا پسندیدہ عمل ہے۔ بلکہ یہی تو شرف انسانیت ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کا فائدہ کیا ہے تو ارشاد ہوتا ہے۔

ولایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا و رجلہ التی یمشی بھا۔(بخاری)

یعنی "میرا بندہ برابر مجھ سے نوافل کے ذریعے قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں۔ جب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں

تو میں اس کی شنوائی بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے"۔

بیان کا یہ ایک خاص اسلوب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر اس کے اعضا" وجوارح سے کوئی کام میری رضا کے خلاف نہیں ہوتا۔ گویا میں ہی اس کے اعضاء بن جاتا ہوں اس سے ظاہر ہوا کہ قرب الٰہی کی علامت یہ ہے کہ آدمی اپنی عملی زندگی میں اللہ کی رضا کے خلاف کوئی کام کرنے کی ہمت نہیں پاتا جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ قرب الٰہی کا انسان کی عملی زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہے اتنا گہرا کہ اس کی وجہ سے انسان کی عملی زندگی اتنی متعدل متوازن اور مثالی بن جاتی ہے کہ ہر کام میں وہ رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھتا ہے۔ بظاہر کام دنیا کے کر رہا ہوتا ہے مگر حقیقت میں اللہ کی رضا کے تحت کام کرکے اپنی اخروی زندگی کو سنوار رہا ہوتا ہے اس سے یہ غلط فہمی اصولی طور پر تو دور ہو گئی کہ قرب الٰہی کے حصول میں پڑ کر یا تصوف وسلوک اختیار کرکے انسان دنیا کے کام کا نہیں رہتا۔ اس حدیث سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ بن کر دنیا میں رہنے کا سلیقہ ہی تصوف وسلوک کے ذریعے آتا ہے گویا تصوف وسلوک کا قرآنی نام "قرب" ہوا۔

اس حدیث قدسی میں تقرب کا ذریعہ نوافل بیان ہوا ہے اور نوافل کی کوئی حد نہیں اس لئے تقرب کی بھی حد نہیں مگر نوافل کی اس وسعت کے پیش نظر انسانی ہمت کی کمی اور عجز بھی قابل لحاظ ہے۔ اس معمہ کا حل ارشاد ہوا ہے۔

عن عبداللّٰہ بن بسران رجلاقال یارسول اللّٰہ ان شرائع الاسلام قد کثرت علی فاخبرنی بشئی نتشبت بہ قال لایزال لسانک رطبامن ذکر اللّٰہ

(الترمذی)

یمنی صحابی نے عرض کیا کہ فرائض تو محدود ہیں مگر نوافل عبادت کی اتنی کثرت ہے کہ میں اپنے اندر تمام عبادات نافلہ کی ہمت نہیں پاتا اور اس کا شوق چین نہیں لینے دیتا۔ اس لئے کوئی ایسی تجویز فرمائیں کہ میرا شوق بھی پورا ہو جائے اور عبادات نافلہ کی ادائیگی میں کمی بھی نہ رہے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لئے جامع اکسیر یہ ہے کہ اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تیری زبان تر رہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ قرب الٰہی کے حصول کے لئے نبی کریم ﷺ کا بتایا ہوا جامع نسخہ ذکر الٰہی ہے اور دوام ذکر ہے۔

قرب کا لفظ زبان پر آتے ہی بعد کا تصور پیدا ہو جاتا ہے یعنی یہ احساس ہوتا ہے کہ مجھے جس کا قرب حاصل کرنا ہے اس کے اور میرے درمیان بعد ہے۔ کچھ فاصلہ ہے جو مجھے طے کرنا ہے۔ اس فاصلہ کو طے کرنے اور اس راہ پر چلنے کا نام ہی سلوک ہے اور چلنے والے کو سالک کہتے ہیں۔

یہاں ایک مشکل پیش آتی ہے جس کا اکبر الہ آبادی نے ذکر کیا ہے

غلط فہمی بہت ہے عالم الفاظ میں اکبر

بعد' قرب اور فاصلہ کے الفاظ کے ساتھ یہ تصور ابھرتا ہے کہ جس کا قرب حاصل کرنا ہے وہ کوئی مجسم وجود ہے اور اس کا کوئی خاص مقام ہے جہاں پہنچ کر قرب حاصل ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ تو جسم اور مکان سے پاک ہے لہٰذا یہاں قرب کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اتصال ہو جائے۔

قرب کی ایک اور قسم ہے کہ خصوصی تعلق پیدا ہو جائے۔ حجابات کم ہو جائیں یا رفع ہو جائیں۔ جیسے ہم اردو میں کہتے ہیں "تم تو دور رہ کر بھی پاس ہی ہو" یعنی تمہارے ساتھ ہمارے دل کا خصوصی تعلق ہے جیسے مولانا حالی نے کہا:۔

گھر دل میں ہو یاروں کا تو گھر ہے برابر
مشرق میں بنایا ہو کہ مغرب میں بنایا

حدیث قدسی میں اس قرب کی حقیقت بیان فرمادی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا خصوصی تعلق قائم ہو جاتا ہے کہ انسان کے اعضاء جوارح محبوب کی رضا کے خلاف کوئی کام کر نہیں پاتے گویا انسان اپنی پسند اور اپنے ارادے کو اللہ کی پسند اور اس کی رضا میں فنا کر دیتا ہے گویا وہی اس کے اعضاء بن جاتا ہے۔

ہماری روزمرہ کی زندگی میں دنیوی ضروریات پوری کرنے کے لئے صاحب منصب اور صاحب اثر لوگوں کا قرب حاصل کرنے کا ایک معروف طریقہ ہے۔ جب کسی کا قرب حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے تو آدمی سب سے پہلے یہ سوچتا ہے اسے کون سی بات یا کون سی چیز پسند ہے' کس بات سے وہ ناخوش ہوتا ہے اور کونسا کام اسے ناپسند ہے' یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد آدمی کوشش کرتا ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ خوش کرے۔ اس کی رضا حاصل ہو جائے تو کام بن جائے گا۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے بڑی محنت کرتے ہیں مجاہدے کرتے ہیں اپنی پسند کے خلاف کام کرتے ہیں بلکہ ہر قسم کا ایثار کرنے پر آمادہ رہتے ہیں کیونکہ ہمارا مقصد اس ہستی کا مقرب بننا ہے جس کے ساتھ ہماری ضرورتیں وابستہ ہیں۔ اور مشاہدہ یہی ہے کہ یہ طریق کار نہایت کامیاب طرز عمل ہے۔

اس تجربہ سے فائدہ اٹھایئے۔ جب ہمارے سارے کام دنیوی ہوں یا اخروی ظاہری ہوں یا باطنی اس ہستی سے وابستہ ہیں جو اس کائنات کا نظام چلا رہی ہے اور جب یہ معلوم ہو چکا کہ اس کا ذکر اور ذکر دوام ایسا ذریعہ ہے کہ اسے بہت زیادہ پسند ہے تو اس راہ پر چلنے سے پہلے یہ طے کر لینا چاہئے۔ کہ ذکر الٰہی کی غرض محض اس کی رضا حاصل کرنا ہے جب وہ راضی ہو جائے گا تو مقرب بنالے گا۔

دوسری بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہ فاصلہ صرف اپنی ہمت سے طے نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کی بندہ نوازی اور رحمت سے ہوگا۔ جیسا کہ حدیث بالا کے مضمون سے ظاہر ہے۔ کہ بندہ کی صرف سے ذرا سی کوشش ہوتی ہے تو اس کی طرف سے اس سے کئی گنا زیادہ قرب ہوتا ہے اس لئے اس سفر میں بندہ کی طرف سے خلوص کے ساتھ اس کی طرف چل پڑنا ہے اصل کام تو اس کے جذب کشش اور رحمت سے

ہوتا ہے دیکھئے یہاں کتنے نوجوان بیٹھے ہوئے ہیں وہ اپنے ماحول پر نگاہ کریں۔ ان کی عمر کے لوگ سینماؤں میں کلبوں میں عیاشیوں میں فحاشیوں میں اور آوارہ گردی میں مگن ہیں مگر یہ یہاں بیٹھے ہیں اس ماحول کو چھوڑ کر آئے ہیں۔ تو کیا وہ خود آئے ہیں نہیں انہیں لایا گیا ہے اس کی رحمت نے انہیں اس دلدل سے نکالا ہے اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور اپنے گھر میں لاکر اپنے نام اور اپنی یاد کا چسکا لگا دیا ہے اس کی عنایت ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنے لئے چن لیا ہے اس کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے تو اس پر اترانے کا کوئی مقام نہیں کہ ہم نے یہ تیر مارا۔ اترائے وہ جو خود کام کرے مگر جس سے کام لیا جائے وہ اترائے کس پر۔

الحمدالله الذی هدانا لهذا وماکنا لنهتدی لولا ان هدانا الله (7:43) (ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس سے ہدایت دی اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم خود ہدایت نہ پاسکتے)

کسی معمولی سے کام کے مختلف مدارج پر غور کرو۔ مثلاً" آپ یہاں آئے تو گھر سے چلنے سے پہلے ارادہ ہوا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو آپ گھر میں ہی بیٹھے رہتے مگر یہ ارادہ کس نے پیدا کیا اسی نے جس نے آپ کی سوچ کا رخ بدلا۔ جس نے آپ کو ایک منزل کی خبر دی جس نے آپ کے اندر اس کا شوق پیدا کیا اسی نے یہ ارادہ بھی پیدا کیا لہٰذا یہ تمام تر اسی کا احسان ہے اپنے آپ کو حجاب نہ بناؤ درمیان سے ہٹادو۔

تو خود حجاب خودی حافظا مخروش

دوسری بات جو نئے ساتھیوں کے لئے یہاں آکر باعث تعجب بنتی ہے اس کا بیان ضروری ہے۔ جب ذکر شروع ہوتا ہے تو شیخ المکرم کہتے ہیں۔ چلو لطیفہ قلب' چلو مراقبات ثلاثہ وغیرہ تو وہ سوچ میں پڑ جاتے کہ یہ کیا پہیلی ہے کہ بیٹھے بھی ہیں اور چلتے بھی ہیں۔ چلنے سے بلاشبہ راستہ طے ہوتا ہے۔ مگر کوئی چلے بھی۔ یہ بیٹھے بیٹھے چلنے کا کیا مطلب؟ تو اس کی حقیقت سمجھ لیجئے۔ ذکر الٰہی' قرب الٰہی کا ذریعہ ہے اور اس کی ذات بے چون وبے چگون ہے وہ لامکان ہے اور جسم انسانی خاکی اور مادی ہے اس جسم کو اٹھا کے آدمی لے جائے بھی تو کہاں؟ لہٰذا یہ چلنا اس جسم کا چلنا نہیں بلکہ اس جسم کے اندر اصل انسان چھپا ہوا ہے جو اس کی روح ہے۔ یہ سفر روحانی ہے اور یہ لطائف اور مراقبات اور مقامات اسی روح کے سفر کے دوران اس کی مختلف منزلیں ہیں جب روح اپنے محبوب سے آشنا ہو جاتی ہے تو اس کے اندر چلنے اور بڑھنے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ شوق ابھرتا ہے۔

اس مقام پر ایک اور شبہ پیدا ہونے لگتا ہے کہ چلو قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کے حصول کا ثبوت تو قرآن وسنت سے مل گیا مگر ان مقامات سلوک کا ثبوت کہاں ہے ان کی حیثیت کیا ہے یہ سوال اطمینان قلب کے لئے ہو۔ تو چنداں مضائقہ نہیں مگر عموماً" دیکھا گیا ہے کہ یہ سوال چلنے والوں کی راہ روکنے کا ایک بہانہ ہوتا ہے حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس کی پہلی حیثیت ہی کے پیش نظر یہ اشکال یا اس قسم کے دوسرے شبہات کا حل تلاش کرنے کے لئے ایک اصول سمجھ لیجئے۔ ایک ہوتا ہے غایت یا مقصود۔ دوسرا ہے اس مقصود کو حاصل کرنے کے لئے تدبیر یا ذریعہ۔ پھر اس تدبیر کی تقویت کے لئے کچھ ذیلی ذرائع ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ لاہور سے کراچی جانا چاہتے ہیں آپ کو سواری مل گئی۔ راستہ متعین ہے آپ چل پڑے ہیں۔ سفر طویل ہے آپ سفر کر رہے ہیں۔ مگر طبیعت یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ کتنا سفر طے ہو گیا۔ بے اختیار آپ کی نگاہ سڑک پر نصب سنگ میل پر جا پڑتی ہے حوصلہ بڑھ جاتا ہے ظاہر ہے کہ سنگ میل نہ ہوں تب بھی آپ کا سفر تو جاری رہ سکتا ہے پھر اس کی کیا ضرورت ہے؟ مگر اپنے دل سے پوچھئے کہ یہ سنگ میل آپ کے سفر کو کتنا خوشگوار بنا دیتے ہیں۔ اب کوئی سنگ میل کا ثبوت پوچھنے لگے تو آپ کیا کہیں گے؟ یہی نا!

ترا گاہے گریبانے شد چاک
چہ دانی لذت دیوانگی را

اور اگر یہی سنگ میل سڑک کے وسط میں گاڑ دیئے جائیں تو وہ معاون کیا الٹا رکاوٹ بن جائیں گے۔

اس مثال کی روشنی میں اپنے روحانی سفر کو دیکھئے۔ سلوک کے معنی چلنا ہے۔ کس طرف؟ قرب الٰہی کی طرف' اللہ کی رضا کی طرف۔ راستہ بڑا طویل ہے پوری عمر کا سفر ہے مگر اس راستے پر کوئی سنگ میل نہ ہو تو جی گھبرائے گا۔ ممکن ہے مایوس ہو کر تھک ہار کر سفر ہی ترک کر دیں اس لئے ماہرین فن نے جو اس راہ پر چلتے رہے ہیں اور ان دشواریوں سے واقف ہیں اس راہ پر جا بہ جا یہ سنگ میل نصب کر دیئے تاکہ سالک کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے اور خوشی خوشی شوق سے سفر کٹے۔ یہ نہ ہوں جب بھی چلتے رہنے والوں کا سفر تو کٹ ہی جائے گا مگر وہ طمانیت' وہ ذوق' وہ خوشی کہاں ہوگی۔

ہاں اگر سالک ان مقامات ان سنگہائے میل میں سے کسی ایک جگہ پہنچ کر رک جائے تو یہی سنگ میل اس کا راستہ روک لے گا۔ لہٰذا

Sense of Proportion

کا تقاضا یہی ہے کہ نگاہ منزل پر رہے اور یہ سنگہائے میل حوصلہ افزائی کرتے رہیں تو یہ مقامات یہ تدابیر نہ فرض نہ واجب بلکہ محض مسافر کا دل بڑھانے کے لئے ایک معاون ہے پھر اس کے ثبوت کی تلاش کیوں ہو۔

زمین کے سینے پر جو سنگ میل نصب ہوتے ہیں ان سے یہ مقامات کچھ مختلف ہیں ان کے اندر حکمتیں ہیں اور وہ حکمتیں انسان کی عملی زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اہل فن نے ان کی نشاندہی کر دی ہے ہر مقام کی الگ خصوصیت ہے اور ہر مقام پر پہنچنے والے مسافر کی عملی زندگی پر اس مقام کی خصوصیت کا اثر ظاہر ہوتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسی مجالس میں کچھ مقامات کی خصوصیات اور عملی زندگی سے ان کے تعلق پر ذرا تفصیل سے گفتگو کی جائے۔ ماخوذ۔ تصوف اور تعمیر سیرت

اسلامی قانون کے ماخذ

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی

ماخذ کے معنی ہیں نکلنے کی جگہ۔ اصطلاح میں ماخذ سے مراد کسی علم کے وہ مقامات ہیں جہاں سے اس کے قواعد اور ضوابط براہ راست اور بنیادی طور پر حاصل کئے جاسکیں۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے متعین حقیقی خود اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ اسلامی قانون کا اولین سرچشمہ اور حقیقی ماخذ وحی باری تعالیٰ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بااختیار شارع قرار دیا ہے۔ وحی کی دو اقسام ہیں۔

1- وحی متلو (ظاہری وحی)

2- وحی غیر متلو (باطنی وحی)

قرآن حکیم وحی متلو ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ مفہوم کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا تو یہ وحی غیر متلو یعنی حدیث ہے۔ فقہ میں ان دونوں کو بالترتیب کتاب وسنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلامی قانون کے ماخذ حسب ذیل ہیں۔

1- کتاب اللہ

2- سنت

3- اجماع

4- قیاس

1- قرآن مجید

قرآن حکیم فقہ اسلام کا بنیادی ماخذ ہے۔ یہ اسلامی قانون کا اصل الاصول ہے۔ اس میں شریعت کی بنیاد بیان کی گئی ہے۔ قرآن دراصل اسلامی شریعت میں دستور کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ قانون شرعی کا اصل سرچشمہ ہے۔ قرآن حکیم ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں قانون کا حصہ 1/8 ہے۔ قرآن حکیم کے احکامات اور ہدایات کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(i)- عبادات کے بارے قوانین

(ii)- جہاد کے بارے قوانین

(iii)- خاندان اور عائلی نظام کے بارے میں قوانین مثلاً" نکاح' طلاق' حسب ونسب اور وراثت کے قوانین۔

(iv)- حدود وتعزیرات اور قصاص ودیت کے بارے قوانین۔

قرآن حکیم کا یہ معجزہ ہے کہ یہ اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

"قرآن میں نہ سامنے سے باطل کے گھسنے کی گنجائش ہے نہ پیچھے سے"

(سورۃ حم السجدہ)

سورۃ الحجر میں ارشاد ہے

"بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"

قرآن حکیم کی موجودہ ترتیب خود حضورؐ نے تجویز فرمائی۔ آپؐ کے کاتب آیات کو ضبط تحریر میں لے آتے اور قاری انہیں حفظ کر لیتے۔ آپؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم پر حضرت زید بن ثابت نے قرآن مجید جمع کیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہد میں ایک کتاب میں جمع کیا گیا اور اس کا ایک ایک نسخہ مختلف علاقوں میں بھیجا گیا۔ قرآن حکیم کے اعراب حجاج بن یوسف نے لگوائے تھے۔

2- سنت

سنت' رسول اللہ ﷺ کے قول' فعل اور تقریر کو کہتے ہیں۔ تقریر سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کسی کو کام کرتے دیکھا یا کوئی بات کہتے سنا اور اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔ سنت حدیث کا مترادف ہے۔ سنت کا دوسرا مفہوم یہ ہے یعنی حضور ﷺ کی وہ روش یا آپ ﷺ کا وہ عملی طریقہ جس پر عہد نبوی ﷺ سے مسلسل عمل جاری ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کہتے ہیں "حدیث نبویؐ میں پائے جانے والے فقہی ضوابط تعداد میں قرآنی ضوابط سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں"

اگرچہ عقائد' عبادات اور اخلاق سے متعلقہ تمام قرآن میں مذکور ہیں مگر وہ اصول ہیں۔ ان کی توضیح اور تفصیل نیز تعین کے لئے بھی رسول اللہ کے اقوال وافعال کی ضرورت ہے۔ حدیث وسنت کے واجب التسلیم ہونے کے متعلق چند آیات قرآنی ملاحظہ ہوں۔

سورۃ النساء کی آیت 64 میں ارشاد ہے

ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس لئے بھیجا کہ باذن الٰہی اس کی اطاعت کی جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت لازم وملزوم ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ کی اطاعت کا حکم ہے۔ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے۔

"اے نبی! کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ تب اللہ تم کو محبت سے نوازے گا"

سورۃ الاحزاب میں ہیں

"تمہاری پیروی کے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے"

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات قابل اطاعت ہیں۔ جس طرح قرآن سے انحراف باعث سزا ہے اسی طرح حدیث وسنت سے انحراف قابل تعزیر اور آخرت میں رسوائی کا باعث ہے۔

3- اجماع

نعت میں اجماع کے معنی عزم واتفاق کے ہیں۔ منہاج الاصول میں اجماع کی تعریف ملاحظہ ہو۔

"رسول اللہ ﷺ کی امت کے اہل حل وعقد کے کسی معاملہ میں اتفاق کا نام اجماع ہے"

اجماع کے معنی ہیں کسی بات پر متفق ہونا' اجماع کی تعریف یوں بیان کی جاسکتی ہے۔

"مجتہدین کا علم کی بنیاد پر ذاتی رائے قائم کرنے کا حق اور اس پر اتفاق کرنا حضور ﷺ کی وفات کے بعد کسی بھی زمانے میں کسی بھی شرعی مسئلے پر"

اجماع کے ذریعے رفتہ رفتہ مسائل حل ہو جاتے ہیں اور وہ مذہب کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اجماع شرعی اجماع عوام سے علیحدہ ہے۔ اس کے لئے کئی طریقے ہیں۔

(i)- اجماع بالقول۔ اظہار الفاظ سے اجماع

(ii)- اجماع بالفعل۔ افعال سے اجماع

(iii)- اجماع با لسکوت۔ خاموشی یا رضامندی سے اجماع

سید عبدالرحیم کے مطابق حسب ذیل صلاحیتوں کے مالک فقہاء اجماع میں حصہ لے سکتے ہیں۔

1- فخرالاسلام کے خیال کے مطابق مجتہد کو اصول اور فروع دونوں فقہی شاخوں سے پوری طرح آگاہ ہونا چاہئے۔

2- قرآن کا علم لازمی ہے۔

3- احادیث کا علم رکھتا ہو۔

4- اس بات کا علم ہو کہ قیاس کے طریقے سے استنباط کرنے کے اصول وقواعد کیا ہیں۔

5- ملک کے رسم وراج اور لوگوں کی عادات سے واقف ہو۔

کسی معاملہ میں ایک زمانے کے فقہاء کا متفق ہو کر ایک ہی حکم بیان کرنا قومی اجماع کہلاتا ہے اگر کسی معاملے میں ایک زمانے کے کسی ایک مجتہد نے ایک حکم کا فتویٰ دیا اور اس کے اس فتویٰ کا علم اس زمانے کے بقیہ فقہاء کو ہو گیا ان میں سے کسی نے نہ اس کی مخالفت کی اور نہ ہی حمایت تو یہ سکوتی اجماع کہلائے گا۔

امام مالکؒ نے اسے مدینہ منورہ کے مسلمان علماء کے اتفاق رائے پر مبنی رکھا اس لحاظ سے یہ اجماع مقامی تھا۔ امام شافعیؒ نے اسے دیگر مصادر شریعہ کے ہم پلہ بنا دیا۔ اثنا عشریٰ شیعوں کے نزدیک ہر اجماع میں کسی امام کی موجودگی ضروری ہے۔

غیبت کبریٰ کے بعد اجماع کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے۔ اجماع کی بنیاد حدیث شریف میں یوں ہے۔

"میری امت کے لوگ کبھی کسی غلطی پر متفق نہ ہوں گے"

اجماع اصلاح کا ایک زبردست آلہ ہے۔

اجماع میں مستقبل کے لئے بڑے امکانات پوشیدہ ہیں۔ اگر اسے صحیح اور منظم طور پر استعمال میں لایا جائے تو مشکل مسائل کا حل نکل سکتا ہے جو آج کل مسلمانوں کو درپیش ہیں۔

اہل سنت والجماعت میں اجماع ایک فقہی اصول ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اجماع کو نہ صرف شرع اور مذہب میں بلکہ دوسرے معاملات میں بھی تسلیم کرتے ہیں مثال کے طور پر فوجوں کی تربیت' لڑائیوں کی تیاری اور دیگر انتظامی امور وغیرہ۔ اجماع اہل سنت کی فقہ کا ایک اہم اور مخصوص اصول ہے۔ حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا رائے عامہ سے منتخب ہونا اجماع کے اصول پر جائز قرار پایا۔

قرآن حکیم کا جمع کرنا بھی اجماع کی تائید میں ایک واضح ترین صورت ہے۔ ایک عہد کا اجماع اسی عہد کے دوسرے اجماع سے منسوخ ہو سکتا ہے مگر اس سے صحابہ کرامؓ کا اجماع مستثنیٰ ہے جو بعد کے کسی بھی اجماع سے منسوخ نہیں ہو سکتا۔ علامہ اقبالؒ نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ علماء وقت اور وسیع الخیال عالموں کی ایک جماعت تشکیل دی جائے جو قرآن وسنت کی روشنی میں قوانین بنائے۔ اجماع قانون سازی کا اہم ذریعہ ہے۔

4- قیاس

قیاس کے لغوی معنی ہیں مشابہت کی بنا پر نتیجہ اخذ کرنا۔ فقہ میں اس سے مراد ہے قرآن حکیم یا سنت سے کسی حکم کا مشابہت کی دلیل پر استخراج۔ وہ معاملات جن کے بارے میں قرآن حکیم اور سنت نبوی میں کوئی حکم موجود نہ ہو اور جس پر اجماع سے بھی روشنی نہ پڑتی ہو ان کے بارے میں شرعی احکام قیاس سے مستنبط کئے جاتے ہیں لیکن قیاس بھی کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف قائم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ حنفیوں اور مالکیوں کے نزدیک قیاس کو قرآن یا حدیث یا اجماع کے ایسے حکم پر مبنی ہونا چاہئے جو منسوخ نہ ہوا ہو۔

جوں جوں اسلام ترقی پذیر ہوا اور فتوحات بڑھتی گئیں نئے نئے اور پیچیدہ مسائل پیدا ہوتے گئے جن کا حل قرآن' سنت اور اجماع میں نہ تھا لہٰذا فقہاء' عقل کو حکم بنانے اور رائے کو کام پر لانے کے لئے مجبور ہوئے۔ قیاس کو دلیل شرعی قرار دینے میں فقہاء نے قاعدہ شرعی کے اس اصول سے استدلال کیا کہ شریعت کے تمام احکام مخصوص اغراض اور مقاصد ہیں لہٰذا فقہاء احکام کے علل واسباب دریافت کرتے ہیں چنانچہ علماء جب کسی مسئلے کے بارے میں ایسے حکم کی علت نمائی معلوم کرتے ہیں تو ان کے لئے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ کسی دوسرے مسئلے کو اس پر قیاس کریں اور اس پر بھی ویسا ہی حکم دے سکیں جو پہلے مسئلے کو دیا تھا اس میں شرط یہ ہے کہ دونوں کی علت نمائی ایک ہو۔

قیاس کو اسلامی قانون کا ماخذ بیان کرتے ہوئے جمہور فقہاء یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جن معاملات میں وحی نازل نہیں ہوئی ان کو میں اپنی رائے سے کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ابن مسعودؓ سے فرمایا "جب تم قرآن اور سنت میں کوئی حکم پاؤ اور اس کے مطابق فتویٰ دو اور جب کوئی حکم نہ پاؤ تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو"۔ قیاس کے بارے تمام صحابہ کرامؓ متفق تھے۔

حضرت علیؓ نے شرابی کے لئے سزا اسی کوڑے

تجویز کی۔ آپؓ نے قیاس کیا کہ تہمت کی سزا اسی کوڑے ہے۔ شرابی شراب پی کر بے ہودہ بکتا بھی ہے اور تہمتیں بھی لگاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی حضرت موسیٰ بن اشعریؓ کو خط کے ذریعے لکھا تھا کہ قیاس کیا کرو۔ یعنی آپؓ نے قیاس کی اجازت دی تھی۔

قیاس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں کیا جائے۔ قیاس کے مخالفین سورۃ النساء کی آیت 59 پیش کرتے ہیں جس میں حکم ہے کہ اگر کسی معاملے میں کوئی جھگڑا ہو تو اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔

اگر اللہ کی کتاب اور سنت کسی معاملے کے بارے میں خاموش ہو تو بیضادی کہتے ہیں ہمیں استنباط کرنا ہوگا اور یہی قیاس ہے۔ امام رازی (تفسیر کبیر) میں لکھتے ہیں کہ قیاس کی اجازت صرف اس وقت ہے جب قرآن اور سنت خاموش ہو۔ امام حضور اکرمؐ کے وصال کے بعد امت نزول وحی سے محروم ہوگئی۔ شریعت کی روشنی میں نت نئے مسائل پر غور وفکر کی ضرورت پیش آنے لگی۔ پہلی صدی ہجری کے نصف ثانی میں حدیث کے ساتھ فقہ کی نشوونما شروع ہوئی۔ چنانچہ دو فریق پیدا ہوئے۔ پہلا فریق اہل الحدیث کہلایا اور دوسرا اہل الرائے۔ امام شافعیؒ وہ پہلے امام ہیں جنہوں نے اصول فقہ کا خاکہ پیش کیا اور کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کو دینی اور قضائی نظام میں جگہ دی۔ امام شافعی (الرسالہ صفحہ 65) میں رقم طراز ہیں۔

"قیاس کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب کتاب وسنت اور اجماع میں کسی مسئلے کو طے نہ کیا گیا ہو"

امام شافعیؒ کے نزدیک قیاس اور اجتہاد کا ایک ہی مفہوم ہے۔

امام ابوزہرہ (اصول الفقہ) میں کہتے ہیں کہ اس کا وہی مفہوم ہے جو امام شافعیؒ نے دیا۔ رائے کو بھی بعض جگہ قیاس کا متبادل کہا گیا ہے۔ دراصل یہ خالص استدلال عقلی ہے۔ داؤد ظاہری قیاس کو نہیں مانتے۔ الدارمی نے بھی قیاس کی حمایت کی ہے۔

قیاس کے حامی حضرت معاذ بن جبلؓ کا یہ جواب جو انہوں نے حضورﷺ کو دیا کہ کتاب اور سنت میں اگر کوئی چیز نہ ہے تو اپنی رائے کے مطابق فیصلہ دونگا۔ اور دلیل پیش کرتے ہیں۔

کتاب اور سنت کے بعد "صالحین کے معمولات" کو فقہ میں قیاس سے مقدم رکھا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ بھی قیاس سے کام لیتے تھے مثلاً" حضورﷺ کے مرض وفات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے امامت کرائی۔ صحابہؓ نے حضورؐ کی وفات پر نماز کی امامت پر قیاس کرتے ہوئے انہیں دنیوی معاملات کے لئے بھی بطور خلیفہ منتخب کرلیا۔

5- استحسان

استحسان کے معنی ہیں کسی بات یا امر کو اچھا جاننا۔ فقہ حنفی کے مطابق یہ قیاس خفی ہے جس کی حیثیت ایسی دلیل کی ہے جو مجتہد کے دل پر نقش ہو جاتی ہے لیکن وہ اسے الفاظ میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ امام سرخسیؒ نے المبسوط میں اس کی تعریف یوں بیان کی ہے۔

"قیاس کی جگہ کوئی ایسی بات اختیار کرنا جو انسانوں کے لئے زیادہ نفع بخش ہو"۔

محمد صانی نے بھی فلسفہ التشریع فی الاسلام میں اسے مصادر شریعہ میں گنوایا ہے۔ امام شافعیؒ استحسان کو نہیں مانتے کیونکہ اس سے مختلف اور من مانے فیصلوں کا راستہ کھل جائے گا۔ امام غزالی بھی اس کو نہیں مانتے۔

استحسان کے حق میں قرآن حکیم کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے۔

"جو لوگ قول سنتے ہیں تو اس کا احسن قابل عمل ہوتا ہے"

(سورۃ الزمر 39)

ساتھ وہ یہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضورﷺ کا ارشاد ہے

"جو مومن اچھا دیکھتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے

"ماراہ المومنون حسنا" فھو عنداللہ حسن"

استحسان گویا ایک قیاس خفی ہے۔ اس میں حدود شریعت سے تجاوز کا امکان نہیں رہتا جیسا کہ مخالفین قیاس کو اندیشہ ہے امام غزالی استحسان سے انکار نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسے استحسان کہا جائے یا کچھ اور

شوکانی کے نزدیک استحسان قیاس ہی کی ایک شکل ہے۔

امام سرخسی بھی قیاس کو مانتے ہیں۔

ابن ھمام، ابن امیرالحاج، محب اللہ بہاری (1457) اور بحرالعلوم جیسے علماء استحسان کے بارے بڑے محتاط نظر آتے ہیں۔

استحسان کافی حد تک انگریزی اصول نصفت (Equity) کے ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ جب نص قرآنی یا اجماع سے فقہاء استنباط نہ کر سکیں تو انہیں صوابدید سے کام لینا پڑتا ہے۔ سرعبدالرحیم کے مطابق استحسان کی اصطلاح کو امام ابوحنیفہ اور دیگر حنفی فقہاء نے استعمال کیا ہے استحسان سی فقہ حنفی کی ترقی اور توسیع میں بہت مدد ملی ہے۔ مثال کے طور پر فقہ کے تحت بیع ایسی چیز کا ہو سکتا ہے جو موجود ہو۔ ایسی شے بیع نہیں ہو سکتی جو ابھی بنانی ہو مگر استحسان کے تحت ایسی بیع جائز ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ آج کل خرید وفروخت کا انداز بدل چکا ہے پہلے آرڈر بک کرایا جاتا ہے پھر چیز تیار ہوتی ہے۔ استحسان کے نظریے کے تحت لوگوں کی فلاح وبہبود ہوتی ہے۔ لوگوں کو دشواری نہیں ہوتی ہے اور کاروبار میں رکاوٹ نہیں ہوتی۔ نظریہ استحسان برطانوی قانون میں موجود نظریہ نصفت سے زیادہ پرانا ہے۔ اس کے خدوخال رسول اللہؐ کی زندگی میں بھی موجود تھے۔

6- تقلید

بقول تاج الدین سبکی (بحوالہ جمع الجوامع) تقلید کے معنی ہیں کسی قول کو اس کی دلیل سمجھے بغیر قبول کر لینا۔ تقلید اجتہاد کی ضد ہے۔ تیسری صدی کے بعد اجتہاد مطلق کا دروازہ بند ہوگیا اور جلد ہی اجتہاد کی دیگر اقسام کا بھی خاتمہ تسلیم کر لیا گیا۔ فقہائے

متاخرین یا عوام کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ اکابر متقدمین کی تقلید کریں۔ اہل سنت کے عقیدے کی رو سے ہر فرد اس وقت اور اب بھی پابند ہے کہ وہ باتیں مستند طور پر تسلیم کرلے جو اسلاف نے کہیں۔ بعد میں آنے والے لوگ مقلد کہلاتے ہیں یعنی تقلید کرنے والے قرون اولیٰ کے فقہاء وسعت علم، روایت اور تیزی فہم کی وجہ سے فقہاء المثال تھے لہٰذا ان کی تقلید لازم ٹھہری۔

بقول امام ابن قیم (اعلام الموقعین) ہر مقلد نئے مجتہد کو اختیار کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ چار مسلم مجتہدوں میں سے کسی ایک کے مذہب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داخل ہو جائے۔ انجام کار نظریہ تقلید کی مخالفت ہوئی ان مخالفین میں داؤد بن علی اور ابن حزم وغیرہ تھے ان کے نزدیک متاخر فقہاء کے لئے بھی واجب ہے کہ وہ اجتہاد کریں۔ ابن تیمہ کے تقلید کی مخالفت کی۔ فرقہ وہابیہ اور سلفیہ کی تحریک کی بھی تقلید کی مخالفت کی۔ ان علماء نے اجتہاد جدید پر زور دیا چنانچہ مصر میں اس اصول کی بنیاد پر قانون سازی ہوئی۔ اباضیہ تحریک نے بھی تقلید کی مخالفت کی۔ اثناء عشریں میں تقلید ممنوع ہے۔ کیونکہ امام غائب ان کی رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام) مقالہ نگار جوزف شاخت۔ مقالہ "تقلید")

7- استصلاح

اس کے معنی ہیں طلب مصلحت، یہ امام مالک کے مصالح مرسلہ سے ملتا جلتا ہے۔ اس کے بعد یہ تصور آیا۔ استحسان کے مقابلے میں اس کی مخالفت کم ہوئی ہے امام غزالی (المستصفی جلد اول صفحہ 285) کہتے ہیں۔

مصلحت کی تین اقسام ہیں

1- جو شرعاً معتبر ہو
2- جو شرعاً باطل ہو
3- جو نہ باطل ہو نہ معتبر ہو

تیسری قسم میں جہاں شریعت خاموش ہو وہاں استصلاح کی گنجائش ہے اگر شریعت کے خلاف کوئی چیز نہیں تو مصلحت کے طور پر وہ جائز ہے اگر مقصد یہ ہو کہ شریعت کی حفاظت کی جائے لوگوں کا دین، جان، عقل، نسل، مال محفوظ رہے۔ امام شافعیؒ اس بات سے اتفاق کرتے ہیں۔

من استصلح فقد شرع

امام شافعیؒ کے علاوہ البیضاوی، الامدی، السبکی اور البتانی حتی کہ امام ابن تیمیہ نے بھی استصلاح کی تائید کی اگر کوئی چیز شریعت کے خلاف نہ ہو۔ استصلاح کی بنیاد مصالح المرسلہ پر ہے جس کے امام مالکؒ حامی تھے۔ امام القرافی اور امام الشاطبی نے بھی استصلاح کی حمایت کی۔ ابن حاجب نے استصلاح کی مخالفت کی۔

یہ امر واضع نہیں کہ استصلاح کا ارتقاء کیسے ہوا؟ بقول الخضری جس طرح استدلال کو ہم استصلاح کے بغیر کرتے ہیں اسے امام غزالیؒ نے استصلاح کہا ہو۔

مستشرقین کا خیال ہے کہ استصلاح کا تصور رومی قانون کے تصور Ratio Utiliatus سے

باقی صفحہ 64 پر ملاحظہ فرمائیں

لودھی برادرز

PSO

ڈسٹری بیوٹر PSO

ہول سیل ڈیلر

پروپرائیٹرز

شمس الرحمٰن خاں لودھی
نور الرحمٰن خاں لودھی
حفیظ الرحمٰن خاں لودھی

لائٹ ڈیزل، کیروسین، فرنس آئل، موبل آئل

لال ملز چوک فیکٹری ایریا فیصل آباد

فون:۔ 618946-624353، موبائل:۔ 0341-7651946

صلح و اصلاح میں ہے ملت بیضا کی فلاح

عبدالعزیز خالد

مولا مفتی محمد شفیع راوی ہیں (البلاغ کراچی۔ مفتی اعظم نمبر) حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسن) فرمایا کرتے تھے کہ تقلید شخصی کوئی شرعی حکم نہیں ہے بلکہ ایک انتظامی فتوی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ چاروں ائمہ مجتہدین برحق ہیں اور ہر ایک کے پاس اپنے موقف کیلئے وزنی دلائل موجود ہیں لیکن اگر ہر شخص کو یہ کھلی چھٹی دیدی جائے کہ وہ جب جس امام کے مسلک کو چاہئے اختیار کر لے تو ہر شخص اپنی آسانی کی خاطر آج ایک مسلک پر عمل کرلے گا۔ کل دوسرے مسلک پر اور اس طرح اتباع خداوندی کی بجائے اتباع نفس کا دروازہ کھل جائے گا!"

علامہ جاوید احمد اپنی تصنیف "پس چہ باید کرد" (دارالاشراق- لاہور) میں لکھتے ہیں " ان کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ تقلید کے اصول پر قائم ہوئے ہیں ان میں یہ بات پہلے دن سے طے کر دی جاتی ہے کہ حنفی ہمیشہ حنفی رہے گا اور اہل حدیث کو ہر حال میں اہل حدیث ہی رہنا ہے اپنے دائرے سے باہر کے کسی صاحب علم کی کسی تحقیق اور رائے کے بارے میں یہ تصور بھی ان کے ہاں ممنوعات میں سے ہے کہ وہ صحیح ہو سکتی ہے مذہب ابو حنیفہ کا کوئی پیرو، ائمہ محدثین کے کسی مسلک کو اور ائمہ محدثین کے طریقے پر عمل کرنے والا کوئی، شخص مذہب ابو حنیفہ کے کسی نقطہ نظر کو کبھی ترجیح دینے کیلئے تیار نہیں ہوتا ہر جماعت مصر ہے کہ اس کا مذہب ہر اعتبار سے ادفق بالقرآن والسنتہ ہے اور اس پر اب کسی نظر ثانی کی کوئی ضرورت نہیں ہے کوئی شخص ان مدارس میں یہ ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتا کہ اس کے اکابر کی کوئی رائے اور تحقیق کسی بھی مسئلے کے بارے میں غلط ہو سکتی ہے اس اصول پر ان مدارس سے پڑھ کر نکلنے والوں کی استقامت سے جو بگاڑ ہمارے معاشرے میں پیدا ہوا ہے وہ کسی صاحب نظر سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ ہم صبح و شام دیکھتے ہیں کہ فرقہ بندی کا ناسور اس ملت کے جسم میں جاری اور اختلاف ہمیشہ اتفاق پر بھاری ہوتا ہے۔ منبر ہمہ وقت غضب سے کانپتا اور محراب ہمیشہ ترش ابرو ہوتی ہے۔

مسجدوں کی حدود ملکوں کی سرحدیں بن گئی ہیں اور ان میں رہنے والے ایک دوسرے سے کوئی تعلق قائم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ فقہی تعصبات دین کی عصبیت پر غالب آگئے ہیں۔ اور یہ لوگ ان کی حفاظت کے لئے اب بغیر کسی تردد کے ہر باطل کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ فقہ اسلامی کی تدوین اور اس کے نفاذ کی ہر کوشش بالعموم انہی تعصبات کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ اس طرح کے مواقع پر یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ محض مکاتب فکر نہیں اقوام وملل ہیں جو اپنے اپنے مفادات کی حمایت میں ایک دوسرے سے دست وگریباں ہو گئے ہیں۔ یہ بگاڑ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ اس زمانے میں جبکہ نفاذ دین کی باتیں کچھ زیادہ ہونے لگی ہیں بہت نمایاں ہو گیا ہے۔

ان میں سے جو کچھ وسعت نظر کے مدعی ہیں۔ ان کا حال بھی یہ ہے کہ وہ اگر شخص واحد کی تقلید پر اصرار نہیں کرتے تو اس بات پر بہرحال مصر ہیں کہ قرآن وسنت پر براہ راست غور وتدبر کا دروازہ چوتھی صدی ہجری کے بعد بند ہو چکا ہے ان کے نزدیک اب قیامت تک کسی شخص کو اسے کھولنے کی جسارت نہیں کرنی چاہئے، علم ان کی رائے میں جمع اقوال ہی کا نام ہے اور تحقیق یہ اسے ہی کہتے ہیں کہ کسی مدعا کو ثابت کرنے کیلئے اگلوں میں سے دس بیس کی آرا بطور حوالہ نقل کر دی جائیں۔ کسی آیت کی تاویل اور کسی حدیث کی شرح میں کوئی نئی تحقیق اگر کوئی شخص پیش کر دے تو اسے مردود قرار دے دینے میں یہ لمحے بھر کا توقف بھی گوارا نہیں کرتے۔ بڑی سے بڑی غلطی پر بھی یہ محض اس وجہ سے مصر ہو جاتے ہیں کہ پہلوں میں سے کسی کو اس سے کوئی اختلاف نہیں رہا۔ یہ چیز ان کے ہاں کوئی معمولی اہمیت نہیں رکھتی بلکہ یہ اسے ایمان وعقیدہ کے طور پر اختیار کئے ہوئے ہیں!"

یہ صورتحال کوئی آج کی نہیں بلکہ زمانہ ہائے دراز سے اہل جبہ ودستار کا یہی ہنجار ہے۔ ان کی اسی سبلی، بے لچک اور "لامساس۔ (20-97)" روش نے امت مسلمہ پر فیضان وعرفان کے ابواب رحمت تیغا کر رکھے ہیں۔ مولانا رومؒ نے اسی تفرقہ پرداری وخانہ براندازی پر ہر صاحب ابلاغ وارشاد کو یاد دلایا تھا۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

زندگی کی ہماہمی کا راز "پیوستن" میں ہے "گسستن" میں نہیں "بستگی" میں ہے "شکستگی" میں نہیں "اپنائیت" میں ہے "غیریت" میں نہیں اگرچہ مطلوب ومثالی صورتحال یہی ہے کہ یہ مذہبی فرقے ایک ملی وحدت میں ضم ہو کر اس عارفانہ شعر کی دلکشا تصویر بن جائیں!

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

قرآن کریم بھی خدا کے محبوب بندوں کی نشانی یہی بتاتا ہے "الذین یجاربون فی سبیل اللہ صفاکالھم بنیان مرصوص (4:61) کہ وہ اللہ کی راہ میں پرے جما کر ایسے لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی دیوار ہوں، یہاں قتال فی سبیل اللہ اپنے وسیع ترین معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اس میں ہر وہ جدوجہد شامل ہے جو روئے زمین پر ایک منصفانہ،

مساویانہ، ظلم واستحصال سے پاک اور مودت وموالات پر مبنی نظام کے قیام کے لئے کی جائے۔ یہ جدوجہد ظاہر ہے تمام احزاب و طبقات کی کامل یکجہتی اور ہم آہنگی ہی سے بار آور ہو سکتی ہے۔ عناد وبد گمانی کی فضاء میں منڈھے نہیں چڑھ سکتی۔ اس سے پہلے یہ ارشاد ہوا تھا **واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقو** (103.3) سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے، پکڑو اور متفرق نہ ہوو (تفرقے میں نہ پڑو، فرقوں میں نہ بٹو) مگر کیا کیجئے کہ حاضر موجود زمینی حقیقتیں "اتفاقی" نہیں بلکہ "افتراقی" ہیں۔ "مجتمع" نہیں "متفرق" ہیں اور ہمیں سردست انہی سے بحث ہے۔ ہدایت کے طاہر وطیب ازلی ابدی سرچشمے قرآن اور احادیث ہیں (وہ احادیث جن کی صحت مسلمہ ہے اور جن کے راوی درایت اور جرح وتعدیل کی چھلنی سے کامیابی سے گزر چکے ہیں) قرون اولیٰ میں جن چیدہ وچنیدہ اہل تدبرو تفکر نے جو کسبا" وقدرتا" "فقہ فی الدین" کی صلاحیت سے بہرہ یاب تھے ان سے اپنے زمانے کو درپیش مسائل کا استنباط اور احکام وقوانین کا استخراج کیا۔ ان کو قدر دان واحسان مند اہل نظر نے **فقیہوں** مجتہدوں اور اماموں کے لقب سے پکارا۔

عہد رسالت کے بعد متاسفانہ امت مسلمہ دو بڑے گروہوں میں بٹ گئی۔ اہل تسنن اور اہل تشیع اس وقت اہل تسنن کے چار بڑے فقہی مکتب ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ ویسے فقہی مکاتب تو بہت تھے مگر امتداد وقت سے ان کی تعداد خود بخود آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔ ان میں سے کچھ تو اپنے اجتہادات کو مرتب ومدون نہ کر سکے اور کچھ بوجوہ مرجع ارادت نہ بن سکے اور قبول عام کی نعمت غیر مترقبہ سے محروم رہے۔ کچھ پھول سہروں اور گلدستوں کے لئے کھلتے ہیں اور کچھ جنازوں اور مزاروں کیلئے۔ اپنا اپنا مقدر ہے۔

اہل تشیع کے سواد اعظم کا مسلک شیعہ امامہ (اثنا عشریہ) یا مذہب جعفری ہے۔ فقہ جعفریہ جس کا مرکز ومدار ہے۔

اہل سنت کے رائج الوقت چارمذاہب کے بانیوں نے کبھی منزہ عن الخطاء ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ وہ تو برملا اور باصرار کہتے رہے کہ ہم بھی عام انسان ہیں۔ ہماری رائے صائب بھی ہو سکتی ہے اور محتمل خطاء بھی۔ وہ تاکید وتکرارا افراد ملت کو اپنی غلامانہ تقلید سے منع کرتے تھے کہ کہیں ان کے اعمال بھی ان کے پلڑے میں نہ ڈال دیئے جائیں اور وہ حشر کے روز بیہ دہائی نہ دے اٹھیں۔ **ربنا انا اطعنا سادتنا وکبراء فاضلونا السیلا۔ ربنا آتھم ضعفن من العذاب** (68.67:33) اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا (اور ان کے پیچھے چلے) تو انہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا۔ اے ہمارے پروردگار ان کو دوگنا عذاب دے"۔

امام مالکؒ بن انس فقہ مالکی کے بانی) کا رویہ اس کی نمائندہ مثال ہے۔ خلیفہ ابو جعفر منصور 148ھ (765ء) میں ادائے حج کے لئے آیا تو اس نے امام صاحب سے اپنی عقیدت کی بناء پر پوچھا کہ وہ کیا عامتہ الناس کو ان کی تقلید پر آمادہ کرنے کیلئے کوئی سرکاری اقدام کرے؟ امام مالکؒ نے منکسرانہ کہا! "ہر فرقے کے اپنے اپنے پیش رو اور امام ہیں اس لئے اگر امیر المومنین لوگوں کی چناؤ کی آزادی میں مخل نہ ہوں اور انہیں اپنے ضمیر کے مطابق فیصلے کرنے دیں تو بہتر ہو" اس کے بعد خلیفہ ہارون الرشید کی اس تجویز پر کہ "موء طا" کو کعبے میں آویزاں کر دیا جائے اور تمام مسلمانوں سے کہا جائے کہ وہ اسے کتاب آئین کا درجہ دے کر اپنا دستور حیات ٹھہرائیں تو امام مالکؒ کا صلح کل دور اندیشانہ اور مفاہمت آمیز جواب وہی تھا جو انہوں نے اس کے پیش رو کو دیا تھا۔

چاروں (بلکہ پانچوں) امامان عالی مقام قانون الٰہی کی اپنے فہم وفکر کی روشنی میں تعبیر وتفسیر کرتے اور اپنے اپنے طور پر اسلامی قواعد وقضایا کی توضیح وتلویح کرتے ہیں۔ یہ سب ایک ہی خرمن کے خوشہ ربا ہیں۔ ایک ہی پیڑ کی ڈالیاں، ایک ہی شاخ کے پھول ہیں۔ ان کے مسالک اہل معنی کی نگاہ میں باہم نقیض ومحارب نہیں لیکن بدقسمتی سے "ہماری قسمت میں صرف تقسیم اور تفریق کے ہندسے آئے ہیں، جمع اور ضرب والے نہیں۔ ہم اختلاف کو بلا سوچے سمجھے فورا" مخالفت سمجھ لیتے ہیں اور فرق کو تضاد قرار دے دیتے ہیں!" اور یوں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں چن کر دوسروں پر کلوخ اندازی شروع کر دیتے ہیں!

ایک قانون کی بہت سی تشریحیں ہوتی ہیں۔ ایک خواب کی بہت سی تعبیریں ہوتی ہیں۔ ایک متن کی بہت سی تفسیریں ہوتی ہیں اور اپنی اپنی حد میں معقول، قرین قیاس اور مقرون بصواب ہوتی ہیں۔ حقیقت کبھی یک رخی نہیں ہوتی۔ جتنی نگاہیں اتنے جلوے ہر صاحب دعویٰ **قضیے** کے اسی پہلو کو اجاگر کرتا اور اس کی تصویب پر اپنا زور نطق وبیاں صرف کرتا ہے جو اس کے مفید مطلب ہو۔ جو اس کے نقطہ نگاہ کی موید و مصدق ہو۔ ایک قانون کی جو بھی تعبیر ایک دادخواہ کے حق میں جاتی ہو۔ وہ اس کا سہارا لے سکتا ہے۔ یہ تکثیریت اور انتخابیت تخییر و تمیز) کا عمل ہے جس سے معاشرہ فروغ گیر اور نمو پذیر ہوتا ہے۔ کثیر الابعادی، کشادگی اور بے تعصبی زندگی کو طاقت وتوانائی عطاء کرتی ہے۔ تعدد وتنوع سے اسے توسیع و توسع اور نئی بصیرت ومعنویت ملتی ہے۔ لکیر کا فقیر بند معاشرہ، منجمد سوچ اور جامد فکر کا معاشرہ ہوتا ہے۔

معقولیت اور رفاہیت کا تقاضا یہی ہے کہ اخذواستفادہ کے دروازے کھلے رہنے چاہئیں اور فکر وخیال کی خوشہ چینی پر کوئی بندش نہیں ہونی چاہئے۔ شہد کی مکھی ایک پھول پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ رنگ رنگ کے پھولوں کا رس چوستی اور اپنے محال میں ذخیرہ کرتی ہے۔ اس کی اسی وسیع المشربی سے "**یخرج من بطونھا شراب مختلف الوانہ فیہ شفاء للناس** 69:16) اس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اس میں لوگوں کے لئے سامان شفاء ہے! ایسے ہی اگر ایک شخص کسی مخصوص فقہی مسلک کا پیرو ہے تو

اس پر یہ بیجا پابندی نہیں ہونی چاہئے کہ تا زندگی وہ ہر مسئلے میں اسی مسلک کی پیروی کرے اور اگر کسی دوسرے مسلک کا نقطہ ء نظر اسے زیادہ باصواب' سودمند اور معقول و متوازن نظر آتا ہو تو اسے پسندیدگی کے باوجود قبول نہ کر سکے۔ یہ مسالک ومکاتب فقط شریعت پیغمبر آخر الزمانؐ کی شخصی' فقہی تشریحیں ہیں یعنی ذہن انسانی کی رسائی ونارسائی کی تصویریں' جمہور امت کی آسانی' افادے اور رہنمائی کیلئے۔ ان میں باہم منازعات ومحاربات کے نہیں بلکہ ارتباط ویگانگت کے رشتے ہونے چاہئیں۔ ان میں کھلا ڈلا لین دین اور میل ملاپ ہونا چاہئے۔ کسی بھی مسلک کے پیرو کو حسب دلخواہ کسی دوسرے مسلک' مقلد (سنی وشیعہ) یا غیر مقلد (اہل حدیث اہل قرآن) سے رجوع کرنے اس سے متمتع دستبردار ہوئے بغیر اور اپنے امام کی امامت سے براءت کا اظہار کئے بغیر اس کا رجز یہ ہونا چاہئے

سقراط ہے عزیز' مگر حق عزیز تر
فلاطوں محترم ہے بجا لیکن محترم تر

ایک طائر چمن زاد کی طرح وہ کہہ سکتا ہے

کبھی شاخ وسبزہ و برگ پر کبھی غنچہ گل و خار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں مرا حق ہے فصل بہار پر

حسن پرست حسن کا عاشق ہوتا ہے جہاں بھی جس رنگ میں بھی نظر آئے۔ تلون مزاجی اور ہرجائی پن کا طعنہ دینے والوں کو اس کا حاضر جواب یہ ہوتا ہے۔

گو حسین تازہ ہے ہر لحظہ مقصود نظر
حسن سے مضبوط پیمان وفا رکھتا ہوں میں

حضور سرور کائنات ﷺ کے یہ ارشادات اس کے موقف کو موثق کرتے ہیں

1- (الدین یسرولا عسر) دین تنگی نہیں آسانی ہے۔
2- (خیرو بنکم الیسرہ) ہے دین تمہارا وہی جو سہل ترین ہے

ہے دیں وہی خوب تر تمہارا
ہر آئنہ ہو جو سہل و سادہ

3- (یسروا والا عسروا) دشواریاں نہیں کرو پیدا سہولتیں
4- (بشرواولا تنفرو) تنفر کے نہیں دل بستگی کے طور اپناؤ

یہ سب فرقے اسلام کے دائرے کے اندر کے فرقے ہیں اللہ تعالیٰ تو یہاں تک کہتا ہے "قل یااہل الکتاب تعالوا الیٰ کلمتہ سواء بیننا وبینکم (64:3) کہہ! اے اہل کتاب! جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (مشترک' تسلیم شدہ) ہے اس کی طرف آؤ! یعنی وہ دوسرے مذاہب والوں کی طرف بلاتکلف دست تعاون بڑھانے کا اذن دیتا ہے۔ اختلافات کو نظر انداز کر کے مفاہمت و مصالحت پر زور دینے کے لئے کہتا ہے تاکہ کاروان رشد وہدایت آگے بڑھتا رہے اور اصلاح بین الناس میں ذاتی اور حزبی مفادات ومصالح حائل نہ ہوں۔ ہمارے لئے یہ حکم خداوندی مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی روشنی میں ہمیں اپنے ذہنوں کو کھولنا اور سب مسلکوں کو اسلامی مسلک سمجھتے ہوئے ان سے حسب ضرورت' حسب موقع اور حسب خواہش بے روک ٹوک استفادے کی داغ بیل ڈالنی چاہئے کہ "خیمہ ہائے ماجدا' ولہا یکیست' کسی امام یا غیر امام سے رجوع کرنے اور اس کے استنباط واجتہاد سے استناد و استشہاد کیلئے کسی سالک کو اپنے مسلک کی تبدیلی کی قطعاً" کوئی ضرورت نہیں۔ اپنے طریقے پر قائم رہتے ہوئے بغیر کسی ذہنی تحفظ کے وہ حسب منشاء اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ایک سچے جویائے علم وفن کا شیوہ ہمیشہ "تمتع زہر گوشہ ء یافتن" ہوتا ہے۔ حضورؐ علیہ السلام کے اس ارشاد مبیں کی روشنی میں "اصحابی کانجوم باھم اقتدیتم اھتدیتم میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کا چاہو اتباع کرو' جس کو چاہو خضر راہ بناؤ" (جس کا جو قول وفعل بھی دل کو لگے اسے اپنا لو۔ ایک جگہ رک کر نہیں بلکہ چل پھر کر رنگ محفل دیکھو تاکہ طبیعت میں دراکی' معاملہ فہمی مردم شناسی اور جہاں بینی پیدا ہو) اور یہ کہ جہاں سے بھی خیر و حکمت کی کوئی بات ملے اسے بے دریغ' بلا تامل لے لو یہ دیکھے بغیر کہ اسے کہنے والا کون ہے (انظر الیٰ ماقال ولا تنظر الیٰ من قال کیا کہا دیکھ۔ مت دیکھ کس نے کہا' حضرت علیؓ) اور کون سے برتن سے نکلی ہے!

بخشے ہے جلوہ ء گل ذوق تماشا غالب
چشم کو چاہئے ہر رنگ میں وا ہو جانا!

دعوت فکر

جب اللہ کی ہی بابرکت بادشاہی زمین و آسمان تک پھیلی ہوئی ہے اور جب وہی ہر انسان کا پالن ہار اور بہترین نگران ہے اور جس کی نگاہوں سے بال برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور وہی جزا و سزا کا مالک ہے تو انسان کی عقل یہ سوچنے پہ ضرور مجبور ہو جاتی ہے کہ انسان اس بات کی کھوج لگائے کہ وہ کون سے اعمال ہیں جو اس رب عظیم کو پسند ہیں۔ تاکہ وہ اعمال انسان کی بخشش اور سرخروی کا باعث بن جائیں اور اللہ سے جزا کا پھل پائیں۔ اگر کچھ اعمال اللہ کو ناپسندیدہ ہیں تو انسان ان اعمال سے گریز کرے تاکہ اللہ کی نگاہ کرم میں گرنے سے بچ جائے۔ اللہ کی نگاہ میں عزت حاصل کرنا اس کے بہت معزز دربار میں اپنے لئے جگہ حاصل کرنا سب سے بڑی خوش نصیبی۔ سب سے بڑی فلاح اور سب سے بڑی کامیابی ہے۔ بصورت دیگر اللہ کی نگاہ سے گرنا معتوب ہونا سب سے بڑی ذلت۔ سب سے بڑا گھاٹا اور سب سے بڑا خسارہ ہے۔ ہر وہ انسان جو دیدہ ور ہے جس کا دماغ اور روح اللہ کی بزرگی و برتری کو تسلیم کرتی ہے جسے آئندہ ایک اور ہمیشہ کی زندگی کا پورا یقین ہے جسے عذاب قبر' عذاب حشر اور عذاب النار سے ڈر لگتا ہے وہ ہر فعل سے پہلے سوچتا ہے کہ کہیں اس کا کوئی عمل اسے سیدھے راستے سے بھٹکا کر قعر ذلت میں گرا نہ دے۔ کہیں وہ ان لوگوں میں شامل نہ ہو جائے جنہیں اللہ کی ناراضگی نے رحمت سے دور پھینک دیا اور وہ درماندہ اور بے نام ونشان ہو کر رہ گئے۔

کلام شیخ ـــــ اللہ اللہ

کہاں میں کہاں یہ عطا اللہ اللہ
کہ دیکھوں حرم کی ضیا اللہ اللہ

تجلی ذاتی کا مہبط ہے یہ گھر
سجائے کھڑا ہے قبا اللہ اللہ

محبت تھی اس گھر سے میرے نبیؐ کو
تھا یہ گھر بھی ان پر فدا اللہ اللہ

تیری وحی قدسی عطا کی ضیا سے
منور حرم اور حرا اللہ اللہ

یہ ذرے' چٹانیں' یہ دشوار راہیں
نصیب ان کا سب سے سوا اللہ اللہ

ہے چوما انہوں نے قدوم نبیؐ کو
فلک جن کا تھا فرش پا اللہ اللہ

بظاہر سیہ پوش' کجلائے پتھر
دو عالم میں ان کی ضیا اللہ اللہ

انہی پتھروں میں ہے وہ غار دیکھو
رکا تھا جہاں قافلہ اللہ اللہ

نبیؐ کی سواری تھا صدیق اکبرؓ
انہی دو کا تھا تیسرا اللہ اللہ

معنا کا نغمہ سنا تھا جنہوں نے
یہ راہیں ہیں ان پر فدا اللہ اللہ

یہیں کٹ گیا تھا قمر آسمان پر
بحکم شہہ انبیاء اللہ اللہ

اسی شہر میں پتھروں نے پڑھا تھا
ترا کلمہ جاں فزا اللہ اللہ

یہیں آپ کا گھر یہیں دار ارقم
وہ دیکھو وہاں شعب تھا اللہ اللہ

محبت کا کتنا کڑا امتحان تھا
نہ ملتی تھی ان کو غذا اللہ اللہ

اسی راستے میں حدیبہ کا منظر
جو مہبط رضا کا ہوا اللہ اللہ

فلک اس کی چوکھٹ پہ خم دیکھتا ہوں
مقام در مصطفیؐ اللہ اللہ

میری جاں اسی راستے پہ ہو قرباں
ہے سیماب کی یہ دعا اللہ للہ

سیماب اویسی

بازگشت

خطاب مولانا محمد اکرم اعوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○ ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الیٰ معاد قل ربی اعلم من جاء بالھدیٰ ومن ھو فی ضلل مبین○ القصص آیت 85 بیسویں پارے میں سورۃ القصص کی آیہ مبارکہ ہے

ترجمہ! اے پیغمبر ﷺ جس اللہ نے آپ ﷺ پر قرآن کے احکام کو فرض کیا ہے وہ آپ ﷺ کو بازگشت کی جگہ لوٹادے گا۔ حاشیے میں دیا ہوا ہے کہ ہجرت کے وقت یہ آیت اتری اور تسلی فرمائی کہ پھر مکہ میں آؤ گے سو خوب طرح سے پورے غالب ہو کر یہ تو اس کا ترجمہ ہے اور شان نزول یہ ہے۔ قرآن حکیم کا خاصہ یہ ہے کہ آیت کا شان نزول خاص ہوتا ہے لیکن حکم عام ہوتا ہے کیونکہ قیامت تک کے لئے یہی آخری کتاب ہے جو اللہ کی طرف سے نازل کی گئی اور ساری انسانیت کی رہنمائی اس کا فریضہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنا پڑی تو مکہ مکرمہ اور بیت اللہ شریف سے جدائی ناگوار گزری' آپ ﷺ کو بہت تکلیف ہوئی اس بات کا آپ ﷺ کو بہت دکھ ہوا کہ اس مقدس شہر سے اور اس مقدس گھر سے دور جانا پڑ رہا ہے تو اللہ کریم نے یہ تسلی فرمائی کہ آپ ﷺ کی ہجرت کا سبب کوئی دنیاوی تو نہیں ہے' سیاست یا حکومت یا کوئی کاروبار یا کوئی تجارت نہیں ہے بلکہ ہجرت کا سبب اللہ کا وہ کلام ہے جو اللہ نے آپ ﷺ پر نازل فرمایا۔ نزول قرآن نے یا کلام الٰہی نے آپ ﷺ کے ساتھ کفار ومشرکین کی دشمنی پیدا کر دی جس کے نتیجے میں آج آپ ﷺ کو یہ شہر عظیم چھوڑنا پڑ رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا کہ یاد رکھئے جس رب کی خاطر' جس کے احکام کی خاطر' جس کے قرآن کی خاطر آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑ رہا ہے وہ قادر ہے وہ آپ ﷺ کو اس شہر میں لوٹا کر لائے گا اور یہ بھی اعلان کر دیجئے کہ کسی الف ب ج کی رائے پر فیصلہ نہیں ہوگا۔ ربی اعلم من جاء بالھدیٰ اللہ میرا پروردگار میرا رب جانتا ہے کہ کون ہدایت پر ہے حق پر ہے۔

ومن ھو فی ضلل مبین اور کون گمراہی پر ہے یعنی مشرک یا کفار مکہ یہ الزام لگا کر ہجرت پر مجبور کر رہے تھے کہ آپ ﷺ نے دین بدل دیا' آپ ﷺ نے نیا دین پیدا کر لیا' آپ ﷺ نے حق کا ساتھ چھوڑ دیا اور مسلمانوں کو صابی کہتے تھے یعنی بے دین ہو جانے والے لوگ۔ تو رب جلیل نے اس بات کا جواب دیا کہ اللہ جانتا ہے کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون۔ اللہ کو خوب علم ہے کہ اللہ کا حبیب ﷺ اور آپ ﷺ کے غلام حق پرستی کی وجہ سے سختیاں جھیل رہے ہیں اور وہ قادر ہے چشم فلک دیکھے گی' زمانہ دیکھے گا' اہل مکہ بھی دیکھیں گے اللہ اپنے حبیب ﷺ کو پوری شان وشوکت کے ساتھ اسی شہر عظیم میں واپس لائے گا اور پھر دنیا نے دیکھا وہ کرشمہ جس کا مادی اسباب کے اعتبار سے امکان تک نہ تھا یعنی کوئی اس کا امکان بھی نہیں تھا کہ آج جو مسلمان شہر سے ہجرت پر مجبور کر دیئے گئے ہیں اللہ کے حبیب ﷺ ہجرت فرما گئے ہیں اور پھر انہیں پکڑنے پر انعام مقرر کئے جا رہے ہیں کہ کوئی پکڑ کر لے آئے اتنا انعام دیں گے وہ کیسے اس شہر عظیم میں واپس آئیں گے؟ واپسی کی ایک ہی صورت ہے کہ یہ طاقتیں جو کافروں کی' مشرکوں کی ہیں یہ شکست کھا جائیں اور حق' اسلام اور اہل اسلام اور اللہ کا حبیب ﷺ اور آپ ﷺ کے خدام غالب آجائیں' فاتح بن کر آئیں تو اس کا امکان مادی وسائل واسباب کے اعتبار سے نظر نہیں آتا۔ کیسے ممکن تھا کہ گنتی کے چند لوگ ایک بسی بسائی تہذیب کو' صدیوں کے ایک معاشرے اور اس کی روش کو جن میں بڑے بڑے سردار بڑے بڑے جرنیل' بڑی بڑی طاقتیں' بڑے بڑے لڑنے والے اور ان کے اقوام عالم سے' اردگرد کی سلطنتوں سے' بادشاہوں سے' درباروں سے رابطے اور وہ ایک مکمل Set up بنا ہوا ہے اس سارے Set up کو کون تبدیل کرے گا؟ ممکن نظر نہیں آتا تھا لیکن اللہ نے اعلان فرما دیا اور پیشگی اعلان فرما دیا کہ ایسا ہوگا۔ پھر زمانے نے دیکھا کہ وہ جو ناممکن نظر آتا تھا وہ ممکن ہوا' آسان ہوا۔ نہ صرف مکہ فتح ہو گیا بلکہ اہل مکہ جو مسلمان نہ ہوئے وہ سارے مسلمانوں کے جنگی قیدی بنے۔ اسی حرم شریف میں اور اسی صحن حرم میں' اسی بیت اللہ شریف کے سامنے جہاں وہ نبی علیہ السلام کو ایذا دیتے تھے' مسلمانوں کو داخل نہیں ہونے دیتے تھے وہیں جنگی قیدیوں یا غلاموں کی حیثیت سے بڑے بڑے راؤسا مکہ دست بستہ کھڑے تھے اور گرداگرد مسلمانوں کی تلواریں تنی ہوئی تھیں اور مخالفین کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک اشارے پر سب کے سر ان کے جسموں سے کٹ سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں مجھ سے کس بات کی توقع ہے؟ وہ کہنے لگے آپ ﷺ تو کریم ہیں اور ہمیں آپ ﷺ سے کرم ہی کی امید ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ میں تم سب کو آزاد کرتا ہوں اور یوسف علیہ السلام کی بات دہراتا ہوں۔ آج تمہارا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ گویا جو غلام بنے جنگی قیدی ہو کر اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آزاد کر دیا یہ واقعہ تھا جس میں یہ آیت اتری تھی۔

اس آیہ کریمہ میں جو اصول بیان کیا گیا ہے کیا وہ اصول فتح مکہ کے بعد ختم ہو گیا؟ ایسا نہیں ہے! قرآن حکیم تو قیامت تک کے لئے کتاب ہدایت ہے لہٰذا یہ ایک اصول قرار پایا ہے کہ جہاں دین کا مرکز ہو گا' جہاں دین دار لوگ ہوں گے' جہاں دین سمجھنے سمجھانے کی بات ہوگی وہاں سے اگر کوئی غیر اسلامی طاقت دین کو یا دین داروں کو نکال بھی دے تو بالاخر دین غالب آئے گا' دین دار غالب آئیں گے' وہ واپس آئیں گے یہ ایک اصول بن گیا۔ اب اس اصول کو آپ چودہ صدیوں پہ منطبق کر کے دیکھیں' پوری تاریخ اسلام میں ہوتا یہی آیا ہے کہ جہاں دینی مراکز بنے اور غیر اسلامی قوتوں نے وہاں سے مسلمانوں کو' اہل اسلام کو' خود اسلام کو نکالنے کی کوشش کی' نتیجتاً" جدوجہد کے بعد' مقابلے کے بعد بالاخر اسلام غالب آیا اور چودہ سو سال میں کوئی اسلام میں کسی ایک نقطے کی کمی بیشی نہ کر سکا۔ اس قدر مضبوط رہی اسلامی دنیا' اس قدر مضبوط رہے مسلمان اور اتنے جاں نثار نصیب رہے اللہ کے دین کو کہ انہوں نے اس کے ایک ایک نقطے کی حفاظت کی۔ آج جب اسلامی انقلاب کی بات ہوتی ہے تو یہی صورت حال پیش نظر ہوتی ہے میں دنیا کی بات نہیں کرنا چاہتا اپنے گھر کی بات کرتے ہیں۔

انگریز جب برصغیر پر قابض ہوا تو اس نے ہندوؤں سے دوستی کر لی۔ ہندوؤں کی ایک تاریخ ہے کہ جب بھی کوئی چیز یا کوئی فرد یا کوئی ادارہ ان سے طاقت ور ہوتا ہے تو یہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ یہی حال ان کا فوجی اعتبار سے بھی رہا۔ باہر سے جو طاقت در آئی اگر وہ ان پر غالب آگئی تو انہوں نے اسی کی پوجا شروع کر دی اور یہی رویہ انہوں نے انگریزوں کے ساتھ بھی اپنایا۔ جب انگریز ملک پر قابض ہوئے تو یہ ان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو گئے' ہم تو غلام ہیں آپ کے' جو آپ فرمائیں ہم کریں گے۔ اسلام کی فطرت میں غلامی نہیں ہے۔ مسلمانوں نے غلامی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ بڑی تاریخی حقیقت ہے کہ انگریز کے ہندوستان میں داخلے سے لیکر انگریز کے ہندوستان چھوڑنے تک مسلمان کسی نہ کسی صورت اس سے برسرپیکار رہے' سیاست کے میدان میں بھی' علمی میدان میں بھی اور عملاً" بھی' کبھی فوجی طاقت کے ذریعے کبھی اکیلا اکیلا بندہ بھی جان قربان کرتا رہا' لڑتا رہا انگریزی معاشرے کے خلاف جنگ جاری رہی۔ یہ بھی اس آیہ کریمہ کا مصداق ہے کہ انگریز نے اپنے پورے عہد حکومت میں پوری کوشش کی کہ اسلام کو مٹا دیا جائے اسلام کے نام پر کفر کو اور کافرانہ رسومات کو رواج دیا جائے اس کی اس ساری کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے مسلمانوں کو ہمت دی اور اسلام کے نام پر اسلامی ریاست وجود میں آگئی یعنی وہ سوچتے کیا رہے' ڈیڑھ سو سال انہوں نے محنت کس بات پر کی اور نتیجہ کیا ہوا وہی جو آیہ کریمہ میں ہے۔

لر آدک الی معاد تجھے واپس اپنے جوبن کی طرف' اپنی رونق کی طرف' اپنی عظمت کی طرف لوٹائے گا۔ اسلام اور مسلمان اپنی عظمت کو پا گئے اپنی عظمت کو لوٹ آئے اور اسلام کے نام پر ایک ریاست وجود میں آگئی جس کا نام تھا پاکستان اور بڑے مزے کی بات ہے کہ چودہ اگست کو اعلان ہوا پاکستان کی آزادی کا اور پندرہ کو ہوا ہندوستان کی آزادی کا ہندوستان والے آج بھی پندرہ کو اپنا آزادی کا دن مناتے ہیں یہ ایک عجیب بات میں آپ کو بتاتا چلوں کہ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ چودہ اگست کو ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دیا جائے اور پندرہ کو پاکستان کی آزادی کا اعلان کیا جائے جب یہ فیصلہ طے پا گیا تو ہندو پنڈتوں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے' گاندھی سے بہت پرزور احتجاج کیا اور یہ احتجاج عوام تک بھی پہنچا کہ چودہ اگست کو ہمارے حساب سے موزوں وقت نہیں ہے جسے وہ اپنی زبان سے شبھ گھڑی کہتے ہیں یعنی مبارک وقت کے چودہ شبھ گھڑی نہیں ہے لہٰذا چودہ کا اعلان ہندوستان کا نہ کیا جائے پاکستان کا کر دیا جائے اور ہندوستان کی آزادی کا اعلان پندرہ کو کیا جائے اور یہ پورا ایجی ٹیشن ہوا اس پر اور بات سیاسی لیڈر لے کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے پاس گئے اور دوبارہ فیصلہ تبدیل کیا گیا کہ پاکستان کی آزادی کا اعلان چودہ کو کیا جائے اور ہندوستان کی آزادی کا اعلان پندرہ کو کیا جائے اور مزے کی بات یہ ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور چودہ اگست ستائیسویں شب تھی رمضان المبارک کی۔ اس میں کسی سیاست دان کی یا کسی لیڈر کی محنت نہیں تھی' رب العزت نے خود اس کا اہتمام کر دیا۔ ہندوؤں کے دل میں وہ وہم آگیا انہوں نے چودہ کو اپنی آزادی کے اعلان سے انکار کر دیا اور اتنی شدت سے کیا کہ وہ فیصلہ تبدیل ہوا اور پاکستان کی آزادی کا اعلان چودہ اگست کو ہوا جو لیلتہ القدر تھی رمضان المبارک کی ستائیسویں شب۔ یہ ثمر ہے اس جذبے کا جو اسلامی ریاست کے لئے مسلمانوں کے قلوب میں پیدا ہو گیا تھا۔ کسی کو نماز آتی ہے یا نہیں کسی نے کوئی روزہ رکھا ہے یا نہیں ایسے لوگ بھی تھے جنہیں صحیح کلمہ بھی نہیں آتا تھا لیکن جب اسلامی ریاست کی بات آئی تو وہ جان دے گئے' اپنے گھر بار قربان کئے' مال و دولت قربان کیا' عزت و آبرو قربان کی' اپنے جگر گوشے اپنے ہاتھوں کٹوائے اور بے گور و کفن چھوڑ کر چلے آئے اور یہ ریاست وجود میں آگئی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جب یہ ریاست بنی تھی تو فوراً" اس پر اسلام نافذ کر دیا جاتا اور یہ ایک طریقہ بھی ہے ہر قوم کا ایک اپنا نظریہ اپنی آئیڈیالوجی اپنا طریقہ کار ہوتا ہے۔ اس سرزمین پر کتنے انقلاب آئے مسلمانوں کے آنے سے پہلے یہاں کا اپنا ایک نظام تھا ہندوؤں کا۔ مسلمان آئے اس سارے نظام کی بساط لپیٹ دی اور اپنا اسلامی نظام رائج کر دیا۔ انگریز آیا اس نے مسلمانوں کے سارے نظام کی بساط لپیٹ دی تھی اور الف سے ی تک اپنا نظام رائج کر دیا اب جب دوبارہ مسلمان یا ہندو برسراقتدار آئے تھے تو ہندوؤں کو چاہئے تھا کہ اپنا نظام ذاتی نافذ کرتے اور مسلمانوں نے تو خیر لیا اس وعدے پر تھا کہ ہم اپنا اسلامی نظام نافذ کریں گے۔ ہندوؤں کو تکلیف اس لئے نہیں ہے میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ ان کا مذہب بھی انہیں سکھاتا ہے کہ ہر بڑی شے کے سامنے جھک جاؤ تو انہوں نے وہی نظام اختیار کر لیا۔ ان کے لئے کوئی حرج نہیں لیکن مسلمانوں کے ذمے فرض تھا کہ جس وعدے پر لاکھوں جانیں لٹ گئیں' لاکھوں عزتیں لٹ گئیں' لاکھوں

گھر برباد ہوئے' اجڑ گئے وہ وعدہ پورا کرتے مگر تقسیم کے ساتھ ہی ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں۔ فوج کا سربراہ جنرل گریسی کو بنایا گیا' وزارت خارجہ قادیانیوں کے سپرد کی گئی' (سر ظفر اللہ خان کو) اور کچھ اہم عہدے شیعہ حضرات کے سپرد کر دیئے گئے اور یوں وہ ایک رنگا رنگی بن گئی ہر کوئی اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ شیعہ کا خیال تھا شیعہ ریاست بن جائے' قادیانی یہودی کے ایجنٹ کے طور پر لڑ رہے تھے لہٰذا کچھ بھی نہ ہو سکا اور سارے کا سارا تعلیمی نظام معاشی نظام سیاسی نظام عدالتی نظام وہی رہ گیا جو انگریز کا تھا اور حد یہ ہے کہ فوجداری قوانین جن کے تحت آدمی کو سزائے موت بھی دی جا سکتی ہے ان میں بھی تبدیلی نہ کی گئی بلکہ ان قوانین کے ساتھ تعزیرات پاکستان لگا دیا گیا۔ وہ پہلے تعزیرات ہند تھا اب بھی میں نے کئی دفعہ یہ سوال پیش کیا ہے وکلاء حضرات سے بھی اور ججز صاحبان سے بھی کہ آپ ایک آدمی کو سزائے موت دے دیتے ہیں اسے لٹکا دیا جاتا ہے آپ فیصلے میں لکھتے ہیں کہ تعزیرات پاکستان مجریہ 1835ء کے مطابق اسے موت کی سزا دی جاتی ہے پاکستان بنا 1947ء میں قانون بنا 1835ء میں وہ تعزیرات پاکستان کیسے ہے؟ وہ تو تعزیرات ہند تھا' متحدہ ہندوستان کا قانون تھا تو گویا آپ مرنے والے کے ساتھ بھی جھوٹ بولتے ہیں اور اسے غلط طور پر سزا دیتے ہیں آپ وہ قانون اس پر لاگو نہیں کر سکتے آپ ظلم کرتے ہیں لیکن ہو ایسا ہی رہا ہے۔

یہ تھی وہ سازش جس میں اتنی جرات تو نہ تھی کہ پاکستان میں اسلامی نظام کی مخالفت کرتے لیکن اس طاقت نے مسلمانوں کو اسلام نافذ کرنے نہ دیا بلکہ اقتدار میں ایسے لوگوں کو لے آئے جو انگریز کے پیروکار تھے۔

بنیادی بات تو یہ تھی کہ اکثریت کا عقیدہ ہی اسلامی نہیں تھا اور جو کچھ مسلمان دو چار آئے وہ' وہ تھے جو نام کے مسلمان تھے اور کام کے انگریز تھے یا یہودی تھے۔ تب سے اب تک بڑی باقاعدگی سے ایوان اقتدار میں جانے کے لئے پوری پابندی ہے کہ کوئی ایسا بندہ قریب نہ چلا جائے جو دیندار ہو۔ جتنے شعبے ترقی کے ہیں ان میں چھلنی لگا دی جاتی ہے جس میں دیندار چھنتے چلے جاتے ہیں اور بے دین آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں جو مختلف لوگ تھے ایوان اقتدار میں پہلے وہ ایک رولنگ لاٹ تھی' حکمران ٹولہ تھا اب چلتے چلتے وہ سارے آپس میں رشتہ دار ہو گئے ہیں ایک دوسرے کا کوئی داماد ہے' کوئی اس کا بہنوئی ہے' کوئی سالا ہے' کوئی کسی کی پھوپھی زاد' کوئی کسی کے ماموں زاد سے بیاہا ہوا ہے یوں اب ہمارے ملک پر ایک رولنگ فیملی' ایک حکمران خاندان بن گیا ہے جس میں بے نظیر وزیراعظم بنے یا نواز شریف ان خاندانوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ آپ حیران ہوں گے آپ لوگوں کو تو اتنی بھی فرصت نہیں ملتی کہ یہ دیکھ لیں لوگوں نے اپنے اپنے خاندان میں وزاتیں الاٹ کر رکھی ہیں آپ پچھلے تین چار دور دیکھ جایئے بے نظیر وزیراعظم بنے انہی خاندان کے افراد۔ اول تو وہی وزیر بنے گا جو پہلے تھا نہیں تو اس کا بھائی یا بھتیجا یا کوئی اور۔ وہ وزارت اس خاندان کی ہے۔ نواز شریف بھی آئیں تو وہی لوگ وزیر بنیں گے جو پہلے تھے۔

بھائی! پہلے اگر آپ کی کشتی ڈوبی تو اسی کیبنٹ نے ڈبوئی' انہی کی نالائقی سے ڈوبی اب پھر فہرست پڑھ لیجئے وہی لوگ اور وہی ان کے محکمے یعنی خاندانوں نے وزارتیں الاٹ کروا رکھی ہیں ان کو وہی وزارت ملتی ہے تو یہ گویا ایک سکہ بند چیز بن گئی اب یہ لوگ نمازیں بھی پڑھتے ہیں' اسلام کے نفاذ کے دعوے بھی' وعدے بھی کرتے ہیں الیکشن میں لیکن وہ جس دن الیکشن جیت کر آجائیں اس دن کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام ممکن نہیں ہے اور بڑی عجیب بات ہے کہ اب نواز شریف صاحب حکومت میں مصروف ہیں اور بی بی بے نظیر کو اب اسلام سر پہ چڑھا ہوا ہے اب اسلام کی حق پرستی کی اور دین داری کی باتیں وہ ان کے حصے میں آگئیں تو کیا وطن عزیز کا حال یہی رہے گا۔

ہماری تو بے خبری کی حالت یہ ہے کہ ہم پچاس سالہ جشن منا رہے ہیں' گولڈن جوبلی کے نام سے اس کا مطلب ہے جو کچھ انگریز نے یہودی نے کیا ہمیں وہ حرف بحرف کرنا ہے یہی ترقی ہے ہماری ترقی یہ ہے کہ عملاً" جو کچھ یہودی یا جو کچھ مغرب والے کرتے ہیں وہ کئے جاؤ یہ ترقی ہے۔ لوگ بھوکے مرتے ہیں مر جائیں۔ لوگوں کے مکان بہہ گئے بہہ جانے دو' لوگوں کو دوا نہیں ملتی نہ ملے لیکن گولڈن جوبلی پر دو ارب روپیہ ضرور خرچ کرو' دو سو کروڑ۔ بے نظیر کا اگلے دن بیان تھا اس بیچاری کو دکھ تھا' بڑا اندوہناک بیان تھا کہ دو ارب روپیہ مختص کیا تھا گولڈن جوبلی کے لئے پتہ نہیں اس کا کیا ہوا۔ تو میرے خیال میں یہ اس سے کم سمجھدار نہیں ہیں یہ دو کا تین ہی کریں گے دو سے کم نہیں ہونے دیں گے بی بی کو فکر نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ پہلے اس کے پالتو کھاتے تھے۔ اب اس کے پالتو اپنے پٹ پالیں گے جو ان کے دروازے پہ بھونکتے ہیں یہ تو فطری بات ہے اس میں حیرت کی بات نہیں ہے لیکن اس غریب قوم کا دو ارب روپیہ عیاشی میں اڑے گا اس لئے کہ مغرب والے اسی طرح کرتے ہیں لیکن ایک بات ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ جو پاکستان 1947ء میں بنا تھا وہ ہمارے پاس ہے نہیں۔ یعنی اگر ہم کہیں کہ اس پاکستان کا پچاس سالہ جشن ہے تو وہ کہاں ہے وہ پاکستان تو دو حصوں پہ مشتمل تھا مغربی پاکستان تھا مشرقی پاکستان تھا اب صرف پاکستان رہ گیا وہ مغربی مشرقی درمیان سے اٹھ گیا اور دس کروڑ لوگ الگ ہوئے اتنا بڑا وطن کا حصہ الگ ہوا تو یہ جو ہمارے پاس ہے پاکستان یہ جو مشرقی مغربی نہیں رہا غیر جانبدار ہے یہ تو 1971ء میں بنا 1971ء تک پاکستان دو حصوں والا تھا 1971ء میں یہ پاکستان بنا جو مشرقی مغربی نہیں ہے تو اس طرح تو اس کے پچیس سال بنتے ہیں پچاس تو نہیں بنتے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں جشن پچاس سالہ منانے کی بجائے اپنے کردار پر غور و فکر کرنا چاہئے کہ بات کیا تھی اور کیا ہو گیا۔ کیوں ایسا ہوا۔ لوگ بھٹو صاحب کے ذمے بھی لگاتے ہیں پیپلز پارٹی والے فوج کے ذمے لگاتے ہیں بنگال والے اپنے شیخ مجیب الرحمٰن کے ذمے لگا دیتے ہیں۔

لیکن حق بات یہ ہے کہ یہ وطن تقسیم ہوا تھا اسلام کے نام پر اور اس پوری قوم کو متحد رکھنے والی

طاقت اسلام تھا' دین تھا۔ آپ لکڑیوں کا ایک گٹھا باندھتے ہیں تو اسے ایک گٹھا رکھنے کے لئے ایک رسی باندھتے ہیں وہ رسی جو ہوتی ہے وہ اس کی بائنڈنگ فورس ہوتی ہے' اسے باندھ کر رکھنے والی طاقت' اسے یکجا رکھنے والی طاقت۔ آپ وہ رسی کھول دیں اور کہیں اس لکڑی نے شرارت کی' اس لکڑی نے شرارت کی' شرارت یہ ہے کہ آپ نے وہ بائنڈنگ فورس اس کی ضائع کر دی۔ ہمیں متحد رکھنے والی اور ملک کے دونوں حصوں کو متحد رکھنے والی' پوری قوم کو متحد رکھنے والی طاقت تھی اسلام۔ جب سرکاری سطح پر ہم اسلام کے قریب آنے کی بجائے دور ہوتے گئے تو پھوٹ پڑ گئی' الگ ہو گئے۔ اس کا سبب خواہ کوئی بھی بنا لیکن اگر نفاذ اسلام ہو جاتا تو نہ شیخ مجیب الرحمٰن الگ کر سکتا تھا اور نہ بھٹو صاحب الگ کر سکتے تھے کسی کی سازش بھی کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر اسلام نافذ ہوتا جو نہ ہو سکا اس لئے کہ چوٹی پر کچھ انگریز بٹھا دیئے کچھ رافضی آ گئے کچھ قادیانی آ گئے اور بات ختم ہو گئی۔ تب سے اب تک وہ جوں کا توں چلا آ رہا ہے لوگ جشن منا رہے ہیں کھا پی رہے ہیں اب دنیا ڈوب رہی ہے حکمران ہیلی کاپٹر پر نظارہ کر رہے ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ ہیلی کاپٹر کے ایک چکر پر جو کروڑوں خرچ آتے ہیں کیا ان ڈوبنے والوں کا حق نہیں بنتا کہ بجائے جہاز اڑانے کے وہ پیسے ان پر خرچ کئے جائیں ایک جگہ وزیراعظم یا وزیراعلیٰ تشریف لاتے ہیں چوہا سیدن شاہ کوئی پانچ دفعہ وزیراعلیٰ تشریف لائے تو ساری صوبائی انتظامیہ آتی ہے ان گاڑیوں کا تیل آنے جانے کا خرچہ ہر بار اسی نوے لاکھ روپیہ بنتا ہو گا پانچ چھ بار کا ٹوٹل کیجئے تو وہ چار پانچ کروڑ روپیہ بنتا ہے یار آپ پانچ بار آنے کی بجائے انہیں پانچ کروڑ روپیہ دے دیں اس سے ہر گھر آباد ہو جائے گا۔ آپ آئے' کھا پی کر چائے کی پیالی پی کر اور اظہار افسوس کر کے چلے گئے' کروڑوں روپے آپ کے جہازوں کے خرچے میں آپ کے سٹاف کے آنے جانے میں اور سڑکوں کی صفائی میں اور آپ کے استقبالیوں میں آپ کے نعروں میں ڈوب گئے۔

ہمارے حکمران جہازوں میں بیٹھ کر ڈوبتے ہوئے لوگوں کی چیخوں کا نظارہ کیا کرتے ہیں ورنہ جو ان جہازوں کی اڑان پر خرچ ہو رہا ہے وہ ان غریبوں کے کام بھی آ سکتا تھا تو اب صورت حال یہاں پہنچی ہے کہ نفاذ اسلام تو کیا ہوتا اب حکومت نے طے کر لیا ہے کہ جو مدارس یا جو دینی ادارے اسلام پڑھا رہے ہیں یہ سارے بدمعاش ہیں اب ان کی ٹھکائی ہونی چاہئے یعنی جتنے انگریزی طرز کے ادارے ہیں وہ تو بڑے شریف لوگ ہیں ان کے لئے ایک بڑی مزے دار اصطلاح ہے۔ جسے نہ ماں کی شرم ہو نہ باپ کا حیاء ہو نہ معاشرے سے شرم کرے' جو مادر پدر آزاد ہو جائے اسے یہ لوگ Straight Forward کہتے ہیں یہ بہت ترقی پذیر ہو گیا اور جو لوگ شرافت کی بات کریں' اللہ و رسول ﷺ کی بات کریں اسے یہ فنڈامینٹلسٹ کہتے ہیں' قدامت پسند کہتے ہیں۔

بہت بے کار اور ترقی کے خلاف اور ترقی کی راہیں روکنے والے لوگ۔ ترقی کیا ہے؟ ان کے نزدیک ترقی یہ ہے کہ جیسا مغرب والے کرتے ہیں ویسا کیا جائے تو ترقی ہے۔ مغرب والے تو اب ترقی کرتے کرتے وہاں پہنچ گئے جہاں مغرب والوں کے بقول تہذیب سے پہلے انسان تھا۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ پہلا انسان اللہ کا نبی (علیہ السلام) تھا اور مہذب تھا اور اللہ کی طرف سے تہذیب یافتہ تھا (یعنی آدم علیٰ نبینا وعلیہ والصلوٰۃ السلام) لیکن اہل مغرب کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان پہلے جنگلوں ویرانوں میں رہتا تھا ایک جرثومہ تھا وہ کیڑا بنا کیڑے سے بندر بنا اور بندر سے انسان بن گیا اور پھر جنگلوں میں ویرانوں میں رہتا تھا پھر وہ کہتے ہیں یہ پتھر کا زمانہ ہے یہ لوہے کا زمانہ ہے یہ فلاں یہ فلاں۔ اس پتھر کے زمانے میں بھی انسانوں نے کھال کا لباس پہننا شروع کر دیا تھا لوہے کے زمانے میں ذرا اور ترقی ہو گئی لیکن اب مغرب والے ترقی کرتے کرتے اس زمانے میں پہنچ گئے ہیں جس زمانے میں انسان کو لباس کا ہوش بھی نہیں تھا یعنی اتنی ترقی کی کہ واپس وہاں پہنچے جہاں ان کے مطابق انسان کی ابتدا ہوئی تھی۔ جب بالکل نااہل اور ناکارہ تھا اب وہ بے لباس پھرنا زیادہ مہذب سمجھتے ہیں اور میں نے اسلام آباد میں یہ تماشہ دیکھا ہے کہ ایک مغربی خاتون اسی طرح بے لباس اسلام آباد میں بھی پھر رہی تھی گویا یہاں بھی بازار میں بے لباس پھرنے کا افتتاح ہو چکا ہے۔ تو ترقی ان کے نزدیک یہ ہے جس کی طرف یہ سرپٹ بھاگ رہے ہیں۔ آپ نے دیکھا کتنی عزتیں روزانہ لٹتی ہیں کتنی بچیاں مرتی ہیں یہ آپ نے نہیں پڑھا اخباروں میں کالج سٹوڈنٹس کے ساتھ کیا حشر ہوا۔ کالج پڑھنے گئی لڑکی اور اس کا کیا حشر ہوا اور تیسرے دن لاش ملی۔

ان کی فکر کسی کو نہیں۔ مساجد کے آئمہ سے لیکر وزیراعظم تک اور اخبار کے ایک ادنیٰ رپورٹر سے لیکر ایڈیٹر تک سب کو لیڈی ڈیانا کا دکھ کھائے جا رہا ہے ارے ڈیانا کا دکھ کرنے والے بھی اس کے کچھ لگتے ہوں گے کوئی اس کے سسرال میکے کیونکہ وہ ملک کے بادشاہ کی بہو تھی ملکہ کی بہو تھی اور ولی العہد کی بیوی تھی اس کے اپنے بیٹے بچے ہیں اس کی ایک پوری رعایا ہے اسے رونے کے لئے مگر یہ تمہاری ہر گھر کی جو ایک روزانہ مرتی ہے او بے حسو! ان کو کون پوچھے گا یہ اس اپنے ملک کی بیٹیاں ہیں جن کی عزت لٹتی ہے ان کا کوئی حال پتہ کرو تمہیں ڈیانا کی فکر کیوں کھائے جا رہی ہے اس کے رونے والے اس کے اپنے بہت ہیں وہ روئیں یا نہ روئیں تو یہاں کی ہر بات کی تان وہاں جا کر ٹوٹتی ہے اور اب انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ ان دینی اداروں کو اور ان دینی درس گاہوں کو رگڑا جائے اور انہیں بند کیا جائے کیونکہ یہ بڑے بے وقوف لوگ ہیں اور یہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

لیکن اس آیہ کریم کی روشنی میں سمجھ یہ آتی ہے کہ یہی قدم غلبہ اسلام کا سبب بنے گا لرادک الیٰ معاد تم اسے نکالو اس ملک سے ہم خوش ہیں کہ تمہارا اسے ملک سے نکالنا ہی اس ملک کے مقدر کو جگانے کا سبب بنے گا بڑی امیدیں وابستہ کیں ہم نے بھی لوگوں نے بھی جماعت اسلامی سے' نام بھی اسلامی تھا' بنیاد بھی اسلامی تھی' طریقہ کار بھی اسلامی تھا اور مولانا مرحوم نے اس کی جو بنیاد رکھی تھی اس میں ایک بڑی عجیب بات یہ تھی کہ وہ اس بندے کو ممبر شپ دیتے تھے جو کم از کم اپنے آپ پر پوری

طرح اسلام نافذ کرے۔ نماز پنجگانہ کا پابند ہو۔ رزق حلال کا پابند ہو' صدق مقال کا پابند ہو اس کے خلاف کوئی تہمت الزام نہ ہو لوگ اسے برا نہ کہتے ہوں تب وہ اسے ممبر بناتے تھے اور حیرت کی بات ہے کہ 1942ء میں پہلا جلسہ ہوا جماعت اسلامی کا اور 1942ء سے لیکر 1997ء تک جماعت اسلامی کے پچھلے الیکشن میں بھی جماعت اسلامی کے ممبروں کی تعداد آٹھ ہزار چار سو تھی باقی لوگ متفقین میں ٹھہراتے تھے مولانا کہ یہ ہمارے پروگرام سے متفق ہیں لیکن جماعت کا ممبر اسے بناتے تھے جو کم از کم اپنے پر اسلام نافذ کرلے۔ جب سے جماعت اسلامی سیاست میں داخل ہوئی بہتیرے الزام کیچڑ اچھلے اس پر لیکن اب آکر وہ جماعت اسلامی جو مولانا مودودی نے بنائی تھی وہ ختم ہو گئی 1997ء میں وہ باب بند ہو گیا جو جماعت اسلامی اب ہے یہ نئی بنی یہ محترم قاضی صاحب نے بنائی اور مزے کی بات یہ ہے کہ اب اس میں داخلے کے لئے مسلمان ہونا بھی شرط نہیں۔ یہ نئی ایک جماعت اسلامی بنی جس کے ممبر قادیانی ہیں یعنی قادیانیوں کے لئے بھی ممبر شپ کھول دی گئی بات وہاں آپہنچی کہ تقسیم ملک کے وقت وزارت قادیانیوں کو اور اعلیٰ عہدے قادیانیوں کو دیئے گئے جنہوں نے اسلام کا راستہ روکا اور آج وہ جماعت جس پر ساری عمر لگی مودودی صاحب کی اور جس کی پاداش میں سزائے موت تک ہوئی' جیلیں تک کاٹیں' کیا عجیب آدمی تھے!

ان کی آراء سے بے شمار اختلافات مجھے بھی ہیں ان کے تفسیری نقاط سے اختلاف کرتے ہوئے میں نے ان کے خلاف اپنی رائے بھی دی ہے تفسیر میں اور ان سے اختلاف کرکے لکھا بھی ہے یہ سب الگ باتیں ہیں لیکن ان باتوں کا کوئی ذاتی دشمنی یا رنجش سے تعلق نہیں ہے۔ جہاں تک ان کی ذات کا تعلق ہے وہ ایسا عظیم انسان تھا کہ اسے قادیانیوں کے خلاف تحریک میں 54ء کی تحریک جو قادیانیوں کے خلاف چلی اور جسے جنرل اعظم خان نے کچلا تھا سینکڑوں لوگوں پر ٹینک چڑھا دیئے اس میں انہیں سزائے موت دی گئی مارشل لاء نے سزائے موت دے دی اور پھر شرط یہ رکھی کہ آپ معافی مانگ لیں اور کہہ دیں کہ میں نے لوگوں سے غلط کہا تھا غلطی ہو گئی آئندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے آپ کی سزائے موت معاف کر دی جائے گی تو اس اللہ کے بندے نے کہا تھا کہ میں نے حق کہا تھا اور میں قادیانیت کو کفر اور ارتداد سمجھتا ہوں اور میں نے لوگوں کو حق کہا تھا اور جو کہا تھا وہ ٹھیک تھا اور جو کیا تھا وہ ٹھیک تھا اور آئندہ بھی جب موقع ملا میں ایسا ہی کروں گا اور یہ تو اللہ کی مرضی کہ حکومت انہیں پھانسی پہ لٹکا نہ سکی کہ انہیں چھوڑنا پڑا لیکن اس شخص نے انکار کر دیا تھا معافی مانگنے سے۔ یہ تاریخ کا حصہ ہے آج وہ جماعت ان کی یادوں کے ساتھ دفن ہو گئی اب جو جماعت ہے یہ محترم قاضی صاحب کی ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس میں قادیانیوں کو بھی ممبر بنایا جا رہا ہے تو جو امیدیں نفاذ اسلام کی تھیں وہ دم توڑ گئیں اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ فی الحال گوردوارہ بنالو بنیاد گوردوارے کی رکھو' عمارت گوردوارے کی جب بن جائے گی تو اسے مسجد بنا دیں گے۔ بھئی جب آپ اس مسجد کی بنیاد نہیں رکھ سکتے اتنے بے بس ہیں' اتنے مجبور ہیں' اتنے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم مسجد کا نام لیں گے تو عمارت کوئی نہیں بنانے دے گا' جی گوردوارہ بنا دو' جب بن جائے گا آپ میں کونسی خدائی طاقت آجائے گی کہ اسے مسجد بنا دیں گے۔ پھر تو لوگ پکے ہو جائیں گے اس گوردوارے پر پھر تو آپ کو ہلنے بھی نہیں دیں گے پھر تو لوگ پکے ہو جائیں گے اس گوردوارے پر پھر تو آپ کو ہلنے بھی نہیں دیں گے تو بہرحال جناب کی اپنی پالیسی ہے اب انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں پچاس لاکھ ممبر بنانے ہیں اور پچاس لاکھ کی تعداد چاہئے۔ ضروری نہیں کہ پچاس لاکھ مسلمان ہوں' مرتد ہوں' قادیانی ہوں' بے دین ہوں' ہندو ہوں' سکھ ہوں جو بھی ملے اسے ممبر بنا لو جماعت اسلامی کا ممبر قادیانی بھی اور سکھ بھی اور آج جو ممبر ہیں وہ کل امیر بھی بن سکتا ہو گا تو پھر کیا یہ اچھی بات ہے کہ کل اسلامی قیادت کسی قادیانی کے پاس ہو؟ یہ بات کم از کم اپنی سمجھ میں نہیں آئی ایک بات سمجھ میں آئی ہے کہ یہ بھی وطن عزیز سے اسلام کو رخصت کرنے کی کوشش ہے۔ کیوں ہو رہی ہے کون کروا رہا ہے لوگ جان بوجھ کر کر رہے ہیں یا نادانی سے۔ دوستی اپنی جگہ عزت واحترام اپنی جگہ لیکن جو کچھ ہو رہا ہے اس سے سمجھ یہ آتی ہے کہ اس کوشش کا مقصد بھی وطن عزیز سے اسلام کو رخصت کرنا ہے۔ جو شور حکومت دینی مدارس کے خلاف کر رہی ہے اس کا مقصد بھی اسلام کو رخصت کرنا ہے۔

اور میری نظر اس آیہ کریم پر ہے کہ ظاہری اسباب ختم ہو گئے دنیوی اسباب کا تجزیہ کریں اگر ہم خلوص کے ساتھ تو یوں نظر آتا ہے کہ دو چار پانچ سالوں میں یہاں اسلام کا نام مٹا دیا جائے گا اور لوگ کوئی چھپ کر نماز پڑھنے والے رہ جائیں گے نہیں تو مساجد کو تالے پڑ جائیں گے یہ آیہ کریمہ بتاتی ہے کہ یہی وہ حالت ہے جہاں اللہ کی طاقت کام کرتی ہے اور اسلام واپس آتا ہے۔ لرادک الٰی معاد تجھے واپس اپنے جوبن کی طرف اپنے مرکز کی طرف اپنے حال کی طرف لوٹائے گا وہ قادر ہے ہر چیز پر اس لئے میرا تو ایمان ہے کہ یہ جتنی کوشش اسلام کو مٹانے کی کررہے ہیں' انشاء اللہ العزیز یہ نفاذ اسلام کے کام آئے گی اور یہ اسلام کو نافذ کرنے کی بات ہو رہی ہے۔ اب یہ قسمت کی بات ہے کہ کون کس فریق کا ساتھ دیتا ہے یہ میں نے وزیراعظم سے بھی عرض کر دیا تھا کہ اگر آپ نہیں کریں گے اللہ کسی اور کو توفیق دے دیں گے لیکن اسلام اس ملک کا مقدر ہے اور یہاں نافذ ہو گا اسے روکا نہیں جا سکتا انشاء اللہ العزیز تو یہ ہے آج کے حالات کا وہ رخ جو مادی دنیا میں ہمارے سامنے ہے لیکن اس کے پیچھے جو من جانب اللہ نتائج ہیں ان پر نظر جاتی ہے تو یوں سمجھ آتا ہے کہ انشاء اللہ نفاذ اسلام کی منزل قریب تر ہے اللہ کریم وہ وقت لائے اور اتنی فرصت دے کہ ان گنہگار آنکھوں سے اس وطن عزیز پر اسلام کو حکومت کرتا ہوا دیکھیں' ہر مستحق کو اس کا حق ملے' ہر مظلوم کو انصاف ملے' ہر ایک کی عزت محفوظ ہو' جان مال محفوظ ہو' امن وامان ہو اور بندے صرف اللہ سے ڈریں اور بندے بندوں سے ڈرنا چھوڑ دیں۔

صرف آٹھ باتیں

خواجہ عابد نظامی

حضرت شفیق بلخیؒ (129ھ تا 160ھ) اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ آپ کا مزار جدہ میں ہے۔ آپ کے علم و فضل کے باعث حضرت امام احمد بن حنبلؒ آپ کی بہت قدر کرتے تھے۔ حضرت شفیق بلخیؒ قرآن' زبور' تورات اور انجیل کے بہت بڑے عالم تھے۔ حق گوئی و بے باکی میں بھی اپنی مثال آپ تھے' ایک دفعہ بغداد گئے' تو خلیفہ ہارون الرشید آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا! اے خلیفتہ المسلمین! یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ تم خلفائے راشدین کے نائب ہو' اس لئے تمہیں انہی کی روشنی اپنانی چاہئے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تم سے علم و حیا اور صدق و عدل کے بارے میں سختی کے ساتھ باز پرس کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شمشیر' تازیانہ اور مال و دولت اس لئے عطا کئے ہیں کہ تم مال اہل حاجت میں تقسیم کرو اور تازیانہ سے شریعت پر عمل کراؤ اور شمشیر سے فساد کرنے والوں کو روکو۔ اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو کل قیامت کے روز تمہیں اہل جہنم کا سردار بنا دیا جائے گا۔ پھر آپ نے ہارون الرشید سے کہا کہ اگر کبھی ایسا موقعہ آئے کہ تمہیں کسی ریگستان میں رہنا پڑے اور کئی روز تک تمہیں پانی نہ ملے۔ اس حالت میں کوئی شخص تمہارے پاس ایک گلاس پانی لائے اور اس کے عوض تمہاری نصف سلطنت مانگے' تو کیا کرو گے؟ ہارون الرشید نے کہا! میں جان بچانے کے لئے نصف سلطنت دے کر پانی کا گلاس لے لوں گا۔ حضرت شفیق بلخیؒ نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا اور اگر کبھی ایسا موقعہ آئے کہ تمہارا پیشاب بند ہو جائے اور شدت تکلیف میں کوئی طبیب علاج کے معاوضہ میں بقیہ نصف سلطنت طلب کرے' تو تم کیا کرو گے؟ ہارون الرشید نے کہا! میں جان بچانے کے لئے بقیہ نصف سلطنت بھی اس کو دے دونگا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا! اس حکومت کا کیا اعتماد' جس کی قیمت پانی کے چند گھونٹ ہو۔ یہ سن کر ہارون الرشید رونے لگا' اور اتنا رویا کہ داڑھی تر ہو گئی۔

انہی حضرت شفیق بلخیؒ کے ایک شاگرد تھے۔ نام تھا حاتم اصمؒ' یہ بھی ایک اللہ والے تھے۔ پورے تینتیس برس حضرت شفیقؒ کی خدمت میں رہے۔ علم بھی حاصل کیا اور فیض محبت سے بھی مالا مال ہوئے۔ ایک روز حضرت شفیقؒ نے ارادہ کیا کہ حاتم اصمؒ کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمائیں چنانچہ حاتم اصمؒ کو بلایا اور فائنل امتحان لینے کی غرض سے ان سے پوچھا! حاتم تم ایک عمر میرے ساتھ رہے ہو' یہ بتاؤ کہ تم نے مجھ سے کیا سیکھا؟ حاتم اصمؒ نے بڑے ادب سے جواب دیا مخدوما! میں نے آپ سے صرف آٹھ باتیں سیکھی ہیں۔

"صرف آٹھ باتیں؟" حضرت شفیق بلخیؒ کو یہ سن کر بہت افسوس ہوا۔ فرمایا! ان للہ وانا الیہ راجعون

حاتم! تم 33 سال میرے ساتھ رہے ہو' تم نے مجھ سے صرف آٹھ ہی باتیں سیکھی ہیں؟

"جی ہاں! استاد محترم' میں نے ان 33 سالوں میں آپ کی خدمت میں رہ کر صرف آٹھ ہی باتیں سیکھی ہیں"

"اچھا تو بتاؤ' وہ آٹھ باتیں کونسی ہیں؟"

استاد کی یہ بات سن کر حاتم نے ادب سے عرض کی مخدوم دنیاودیں! پہلی بات جو میں نے سیکھی وہ یہ ہے کہ میں نے دنیا پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ یہاں ہر آدمی کسی نہ کسی کو اپنا محبوب بنائے ہوئے ہے اور اسی کی محبت میں غرق رہتا ہے یہاں تک کہ مرجاتا ہے اور قبر میں اکیلا دفن کر دیا جاتا ہے۔ کوئی اس کے ساتھ قبر میں نہیں جاتا حتی کہ اس کا محبوب بھی اسے اکیلا چھوڑ کر آجاتا ہے۔ یہ حال دیکھ کر میں نے صرف نیکیوں کو اپنا محبوب بنا لیا' وہ نیکیاں' جو قبر میں بھی میرے ساتھ رہیں گی اور مجھے کبھی اکیلا نہ چھوڑیں گی۔

اور دوسری بات؟ حضرت شفیق بلخیؒ نے پوچھا۔

"پیرو مرشد!" حاتم نے کہا! "دوسری بات یہ ہے کہ جب میں نے قرآن مجید میں یہ آیت پڑھی" اور جو اپنے رب کے حضور حاضری سے ڈرتا رہا اور اپنے آپ کو بری خواہشات سے روکتا رہا تو اس کا ٹھکانہ یقیناً" جنت ہے" تو مجھے پورا یقین ہو گیا کہ میرے پیدا کرنے والے نے بالکل سچ فرمایا ہے پس میں بری خواہشات سے بچنے کی کوشش میں لگ گیا اور جان لیا کہ میرا اللہ اور معبود صرف اور صرف اللہ ہے' مجھے اس کی اطاعت کرنی ہے' نفسانی خواہشات کی نہیں۔

"اور تیسری بات؟" حضرت شفیق بلخیؒ نے پوچھا ان کا تاسف اب بتدریج خوشی میں بدل رہا تھا۔

ہادی من! تیسری بات یہ ہے کہ میں نے اہل دنیا کی حالت پر جس قدر بھی غور کیا اس نتیجہ پر پہنچا کہ جس کے پاس بھی کوئی اچھی اور قیمتی چیز ہے' وہ اسے انتہائی حفاظت سے رکھتا ہے۔ اسی دوران قرآن مجید کی یہ آیت میری نظر سے گزری "جو کچھ تمہارے پاس ہے (وہ ایک دن) ختم ہو جائے گا' اور جو اللہ کے پاس ہے' وہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا" اب میرا یہ حال ہے کہ جو اچھی چیز بھی میرے ہاتھ لگتی ہے میں اسے اللہ کے حوالے کر دیتا ہوں کیونکہ اگر وہ میرے پاس رہے گی' تو فنا ہو جائے گی۔ اللہ کے ہاں رہے گی تو ہمیشہ ہمیشہ میرے لئے باقی رہے گی"۔

"اور چوتھی بات یہ ہے کہ میں نے مخلوق کی حالت پر جس قدر بھی غور کیا' یہی دیکھا کہ کوئی مال و دولت کے پیچھے لگا ہوا ہے اور کوئی دنیاوی نسب و شرافت پر مغرور ہے۔ آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان میں سے کوئی چیز بھی باعث تفاخر نہیں ہے' پھر قرآن مجید نے مجھے بتایا! تم لوگوں میں جو سب سے

زیادہ برائی سے بچنے والا اور نیکیاں کمانے والا ہے وہی اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا ہے۔" پس میں نے برائیوں سے بچنے کے لئے کمر ہمت باندھ لی' تاکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والا اور مکرم بن جاؤں

"اور پانچویں بات یہ ہے کہ میں نے دنیا کے بارے میں خوب غور کیا اور دیکھا کہ یہاں ہر شخص دوسرے کو لعنت ملامت کرنے میں لگا ہوا ہے اور دوسرے کو برا بھلا کہنے میں مشغول ہے۔ یہ دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس برائی کی اصل جڑ "حسد" ہے۔ پھر قرآن نے مجھے بتایا! "ان لوگوں کو دنیا کی زندگی کا یہ سازو سامان ہم ہی نے اپنی مصلحت کے مطابق دیا ہے"۔ پس میں نے حسد سے بچنے اور دور رہنے کا پختہ ارادہ کرلیا لوگوں سے بے پرواہ ہو گیا اور کبھی حسد کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا۔ مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی کہ دنیا کے سازو سامان اور مال ودولت کی یہ تقسیم اس اللہ نے کی ہے' جو برے جذبات اور بے جا جھکاؤ سے پاک ہے۔ اس کے بعد میں نے کبھی کسی سے دشمنی نہیں کی۔

اور چھٹی بات یہ ہے کہ پیرو مرشد! اہل دنیا کے حالات پر میں نے جہاں تک نظر ڈالی' یہی دیکھا کہ کوئی کسی پر زیادتی کر رہا ہے اور کوئی کسی کے ساتھ دشمنی میں مشغول ہے۔ سب اپنے اصل دشمن سے غافل ہیں۔ قرآن مجید نے مجھے یہ بات سمجھائی کہ " بے شک تمہارا اصل دشمن شیطان ہے' پس تم اس کو اپنا دشمن سمجھو"۔

اس پیغام ربانی کو سمجھنے کے بعد میں نے لوگوں کو اپنا دشمن سمجھنا چھوڑ دیا اور "عدوئے مبین" (یعنی شیطان) سے بچنے کی کوشش میں لگ گیا۔ پھر میں نے اس کے سوا کسی کو اپنا دشمن نہ سمجھا' کیونکہ اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ وہی میرا دشمن ہے۔

اپنے لائق اور ذہین مرید سے یہ ایمان افروز اور حکمت آفرین باتیں سن کر حضرت شفیق بلخیؒ دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ ان کی 33 برسوں کی صحبت اور محنت رائیگاں نہیں گئی۔ اب ان کی پوری توجہ حاتم اصم کی باتوں کی طرف تھی۔ حاتم کہہ رہے تھے

"سیدی! ساتویں بات یہ ہے کہ میں نے جہاں تک دنیا والوں پر نظر دوڑائی' دیکھا کہ وہ چند ٹکڑوں کی طلب میں جتے ہوئے ہیں۔ اس کی خاطر ہر طرح کی ذلتیں اٹھا رہے ہیں۔ دنیا کے لالچ میں حلال وحرام کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ میں نے قرآن مجید کی اس آیت پر غور کیا! "زمین پر چلنے پھرنے والے ہر جاندار کی روزی خود اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے"۔ تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ آخر میں بھی تو زمین پر چلنے والے جانداروں میں سے ہی ہوں یقیناً" میری روزی بھی اللہ ہی کے ذمے ہے یہ جان لینے کے بعد میں کبھی اس فکر میں ہلکان نہیں ہوا' جو بہرحال مجھے ملنے والی ہے پس میں اس فکر سے بلند ہو کر یکسوئی کے ساتھ ان حقوق کی جانب متوجہ ہو گیا' جو مجھ پر واجب ہیں۔

"اور اے امام عارفین وسالکین! آخری بات یہ ہے کہ ان 33 سالوں میں جہاں تک میں نے سوچا ہے یہی جانا ہے کہ یہاں دنیا میں ہر ایک نے کمزور اور بودی چیزوں پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ کوئی اپنے مال اور سامان پر بھروسہ کئے ہوئے ہے' کوئی اپنے ہنر وفن پر اور کوئی اپنی صحت وتوانائی پر۔ غرض ہر انسان اپنے ہی جیسے انسانوں پر تکیہ کئے ہوئے ہے یا پھر اپنی ہی حقیر اور فانی قوتوں پر۔ قرآن مجید نے مجھے راہ سجھائی اور بتایا کہ "جو اللہ پر بھروسہ کرے گا' تو اللہ اس کے لئے کافی ہے" پس میں نے ہر طرف سے نظر ہٹا کر ایک اللہ پر بھروسہ کر لیا اور اس بات پر اپنا یقین محکم کر لیا کہ واقعی اللہ میرے لئے کافی ہے۔

یہ سن کر حضرت شفیق بلخیؒ نے بڑھ کر اپنے پیارے مرید کی پیشانی چوم لی اور فرمایا! میں نے قرآن' تورات' انجیل اور زبور سب آسمانی کتابوں پر غور کیا ہے۔ حاتم! تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ یہی آٹھ باتیں ہیں"۔ پھر فرمایا! اللہ کا شکر ہے کہ 33 سالوں میں تمہیں جو کچھ سیکھنا چاہئے تھا' وہ تم نے سیکھ لیا"۔ اس کے بعد حاتم اصمؒ کو اپنے سلسلے روحانی کی خلافت سے نوازا اور حکم دیا کہ لوگوں کی اصلاح کیلئے یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔

اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ظلم جبر اور کفر کے نظام کے خلاف برسرپیکار تنظیم الاخوان کا ترجمان ماہنامہ الاخوان ٹائم جس کا عزم

جب تک چند لٹیرے ہیں میرے وطن کو گھیرے
اپنی جنگ رہے گی اپنی جنگ رہے گی

کے لئے ملک بھر کے تمام اضلاع سے نامہ نگار تجزیہ نگار مضمون نگار اور ایجنٹ حضرات درکار ہیں تنظیم الاخوان سے متعلق حضرات بھی رابطہ کر سکتے ہیں

منجانب ایڈیٹر الاخوان ٹائم لاہور

مومن اور کافر میں فرق

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○ وقالوا قلوبنا فی کنتہ مما تدعونا الیہ وفی اذاننا وقر ومن بیننا وبینک حجاب فاعمل اننا عملون○ پارہ 24 سورۃ حم سجدہ 5

عزیزان گرامی! مومن اور کافر میں ایمان ویقین کا فرق ہے ایمان ویقین اس کیفیت کو کہتے ہیں جو قلب پر وارد ہو کر انسان کے اعضاء وجوارح سے مترشح ہونے لگے کفار نے جواب دیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرآن حکیم اسے نقل فرماتے ہوئے فرماتا ہے۔

وقالوا قلوبنا فی اکنتہ مما تدعونا الیہ

آپ ﷺ جس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہیں وہ ہمارے دلوں میں وارد نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ہمارے دلوں اور آپ ﷺ کی دعوت کے درمیان پردے ہیں۔ ہمارے دلوں کے گرد پردے ہیں۔ دلوں کے گرد پردہ کس طرح سے بن جاتا ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ جسے قرآن حکیم قلب کہتا ہے وہ ہے کیا شے؟ دل ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جو سارے جسم میں خون پہنچاتا ہے اسے واپس لاتا ہے جگر سے گزرتا ہے صاف ہوتا ہے پھر واپس بدن میں جاتا ہے یوں ساری عمر یہ چلتا رہتا ہے دھڑکتا رہتا ہے ایک پمپنگ سٹیشن ہے لیکن جس طرح زبان ایک گوشت کا ٹکڑا ہے مگر اللہ نے اس میں قوت گویائی رکھی ہے' پاؤں میں گوشت اور ہڈیوں کا ایک مجموعہ ہے مگر ان میں چلنے کی سکت ہے اگر پاؤں نہ ہوں تو باقی سارا بدن نہیں چل سکتا ہاتھ بھی ایک ہڈیوں کا گوشت کا مجموعہ ہے مگر اس میں پکڑنے کی سکت ہے' آنکھ بھی تو ایک گوشت اور پٹھوں کا مجموعہ ہے اس میں دیکھنے کی طاقت ہے کان بھی اس طرح ایک جسم کا حصہ ہے لیکن اس میں سننے کی طاقت ہے' دماغ کو آپ دیکھیں تو سفید قسم کی جس طرح دودھ پر بالائی آجاتی ہے اس طرح کی ایک چیز ہے جس سے باریک باریک نسیں بھری ہوئی ہیں اور وہ سر میں بھرا ہے ایک مادی اور ٹھوس چیز ہے لیکن اس میں سوچنے سمجھنے' پورے بدن سے کام لینے کی کتنی بڑی طاقت اور کتنا بڑا کمپیوٹر اللہ نے اس میں رکھ دیا ہے۔ اسی طرح یہ جو دھڑکنے والی مشین ہے اس کے اندر ایک لطیفہ ربانی جسے قلب کہتے ہیں۔ وہ حکمران ہے پورے وجود کا۔ جس چیز کی طلب اس میں پیدا ہو جاتی ہے سارا وجود اس کی طرف لپکتا ہے۔ اب مادی دنیا میں مادی آنکھیں مادی خوبصورتی کو دیکھتی ہیں' مادی کان مادی آواز کو سنتے ہیں' وجود مادی ہے مادی لذتوں کو جانتا ہے' پسند کرتا ہے' یہ ساری جو رپورٹیں دل کو جاتی ہیں وہ ہاتھ کی طرف سے جائیں' آنکھ کی طرف سے جائیں' پاؤں کی طرف سے جائیں یا بدن کے کسی دیگر حصے کی طرف سے۔ دماغ کی طرف جائیں' یہ ساری مادی لذتوں کے لئے جاتی ہیں۔ اب وہ فیصلہ کرتا ہے ان لذتوں کو حاصل کرنے کا پھر اس کے لئے دماغ کام کرنا شروع کر دیتا ہے' ہاتھ پاؤں کام کرنا شروع کر دیتے ہیں زبان کام کرنا شروع کر دیتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا کام یہ ہوتا ہے جس طرح آنکھ مادی چیزیں پہنچاتی ہے یا زبان یا ناک یا حواس خمسہ مادی لذات کی خبر دیتے ہیں نبی اس سے زیادہ طاقت ور ترین طریقے سے روحانی لذات کی خبر دیتا ہے۔ نبی دل میں وہ قوت پیدا کرتا ہے کہ ان مادی آنکھوں سے جو کچھ نظر آتا ہے دل اسے بھی دیکھے اور اس کے اپنے اندر بھی دیکھنے کی ایک قوت پیدا ہو جائے کہ مادی آنکھ کو دھوکا لگتا ہے یہ چمکتی ہوئی چیز کو سونا سمجھنے لگتی ہے حالانکہ ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی دل جب دیکھتا ہے تو جو ظاہر ہے وہ بھی اسے نظر آتا ہے اس کے اندر جو حقیقت ہے وہ بھی نظر آنے لگتی ہے لہٰذا دنیاوی لذات کے پیچھے جو مصیبتیں ہیں گمراہی ہے ان میں جو نقصان ہے وہ اسے بھی دیکھنے لگ جاتا ہے اور حقیقی خوبصورتی اور حقیقی حسن جو ذات باری تعالیٰ کا ہے جب دل کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ اسے بھی دیکھنے لگ جاتا ہے اور اسی کو اسلام کہتے ہیں۔ پھر وہ اللہ کا طالب بن جاتا ہے پھر اللہ کی' اللہ کے نبی علیہ السلام کی اطاعت اختیار کر لیتا ہے اگر یہ نعمت نصیب نہ ہو تو دنیوی خواہشات دل کے گرد اپنے پردے بنا لیتی ہیں اسے سوائے ان کے کچھ نظر نہیں آتا یہی بات یہاں مشرکین عرب نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہی

وقالوا قلوبنا فی اکنتہ مما تدعونا الیہ

جس بات کی طرف آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں وہ ہمیں نظر نہیں آتی اس لئے کہ ہمارے دلوں کے گرد دیواریں بن چکی ہیں۔

وفی اذاننا وقر ہمارے کان بند ہو چکے ہیں آپ ﷺ جو فرماتے ہیں وہ ہمیں سنائی نہیں دیتا۔

ومن بیننا وبینک حجاب ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان ایک پردہ ہے جس نے آپ ﷺ کو اور ہمیں الگ الگ خانوں میں بانٹ رکھا ہے۔

فاعمل۔ جو تجھے پسند ہے وہ تو کر اننا عملون جو ہمیں پسند ہے ہم وہ کریں گے۔

یہ وہ تصویر ہے جو قرآن نے مشرکین عرب کی یا کفار کی یا ان لوگوں کی کھینچی ہے جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا رسول قبول نہیں کیا' قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں مانا بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ میں اگلے دن اخبار دیکھ رہا تھا ہمارے سیکرٹری خارجہ تشریف لے گئے ہندوستان اور میں انہیں جانتا نہیں ہوں۔ میں نے پہلی دفعہ اخبار میں تصویر دیکھی۔ ہندوستان کے سیکرٹری خارجہ اور پاکستان کے سیکرٹری خارجہ دونوں کی تصویر تھی۔ یہ دونوں ایک ہندو ہے ایک مسلمان ہے مذاکرات کریں گے اب میرے پاس

کوئی آلہ نہیں تھا کہ مجھے پتہ چلتا کہ ان میں ہندو کون ہے اور مسلمان کون ہے۔ قد میں فرق تھا' رنگ میں فرق تھا' جسامت میں فرق تھا لیکن لباس بھی ایک سا تھا' حلیہ بھی ایک سا تھا۔ چھوٹے بڑے قد سے تو سمجھ نہیں آتی کہ چھوٹے قد والا ہندو ہے یا بڑے قد والا ہندو ہے۔ کوئی ایک حلیہ مسلمانوں کا ہوتا ہے ہندو کا ایک اپنا حلیہ ہوتا ہے۔ نہ ہندو کا حلیہ ہندوؤں والا تھا نہ مسلمان کا مسلمانوں والا تھا۔ دونوں کا حلیہ عیسائیوں جیسا تھا ہندو اگر عیسائی کا حلیہ بناتا ہے تو میرے خیال میں ہندو ازم سے تو عیسائیت پھر بہتر ہے لیکن اگر مسلمان اتنا نیچے چلا جائے کہ ہندو اور مسلمان میں تفریق ہی نہ کی جا سکے تو یہ کونسا اسلام ہے۔ عرب کا مشرک کہتا ہے نبی علیہ الصلواۃ والسلام کو آپ ﷺ کو جو کام بھلا لگتا ہے آپ ﷺ کیجئے ہمیں خود جو بھلا لگے گا ہم وہ کریں گے آج کے مسلمان کی زندگی کو دیکھیں اگر آج کا مسلمان بھی یہی کہتا ہے کہ جو کام آپ ﷺ کو بھلا لگتا ہے آپ ﷺ کریں میں اپنا کام آپ کروں گا تو فرق کیا ہے کافر میں اور مومن میں' ہم بیزار ہوتے ہیں مشرکین عرب سے' لعنت بھیجتے ہیں کفر پر' کافروں پر' سارا دن لاحول بھیجتے ہیں شیطان پر۔ شیطان کیا ظلم کر بیٹھا یہی کہ اس نے اطاعت کا راستہ چھوڑ دیا اور اگر وہی جرم ہم بھی کر رہے ہیں' کردار کا کوئی پہلو ایسا نہیں جہاں ہم نبی کریم ﷺ کی اتباع اختیار کریں بلکہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں بیاہ شادیوں میں حتیٰ کہ میت کو جنازہ پڑھانے اور دفن کرنے میں بھی اگر ہم رواجات پر عمل نہ کریں تو ہم اسے کسر شان سمجھتے ہیں۔ جس طرح نبی علیہ الصلواۃ والسلام کا حکم ہے اس طرح سے کرنا ہم اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں' ہم اپنی رسومات اور دعوتیں کھانے پکانے اور یہ اور وہ اگر اس پر عمل نہ کریں تو ہم سمجھتے ہیں ہماری شان کے خلاف ہے خرید و فروخت کا یا بیع و شرع کا جو ہمارا نظام ہے وہ غیر اسلامی ہے اور ہم اسلام کے خلاف اور نبی علیہ الصلواۃ والسلام کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ اسلام کو آپ رہنے دیجئے بات سیدھی سیدھی کریں کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔ معاشی نظام ہمارا جو ہے پورے ملک کا وہ کافرانہ ہے' سودی ہے' یہودی نظام ہے' ظالمانہ ہے اور لاکھوں باتوں کی ایک ہی بات ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے نظام کے خلاف ہے۔ عدالتی نظام جسے ہم انصاف کہتے ہیں اور روزانہ اعلان ہوتے ہیں انصاف دروازے پر ملے گا انصاف سستا ہو گا بات تو یہ ہے کہ انصاف کو بکاؤ چیز بنا دیا گیا اور اس کے بھاؤ پڑنے لگے۔ مہنگا ستا اب واقعی جس کے پاس پیسے ہوں وہ انصاف خرید لیتا ہے انصاف کیا ساری عدالت خریدی جا سکتی ہے منصب بھی خریدا جا سکتا ہے انصاف بھی خریدا جا سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جسے آپ انصاف کہتے ہیں وہ بھی ظلم ہے کہ وہ غیر اسلامی طریقے سے آپ مسلمان کے ساتھ کافرانہ انصاف کرتے ہیں۔ وہ کونسا انصاف ہے؟ مسلمان کے لئے تو انصاف وہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اب اسے چھوڑ کر آپ ایک کافرانہ انداز اس پر مسلط کرتے ہیں اسے انصاف بھی کہتے ہیں یہ تو مزید سینہ زوری کی بات ہے۔ لے دے کر ایک نماز بچتی ہے وہ بھی ہم کہتے ہیں یار مشکل ہے مجھ سے نماز چھوٹ جاتی ہے۔ میرے لئے دعا کریں باقی بچا کیا؟ جن کافروں سے ہم سخت بیزار ہوتے ہیں جن پر ہم لعنتیں بھیجتے ہیں یہی کچھ تو وہ بھی کرتے تھے فرق اگر رہ گیا تو ایک بات کا کہ وہ کہتے تھے ہم نہیں مانتے ہیں اور ہم کہتے ہیں ہم مانتے ہیں اب یہ اللہ کی مرضی وہ ہمارا یہ جھوٹ منظور کرلے' ہے تو جھوٹ ہی نا! جس بات پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔ ایک آدمی میرا ملازم ہے میں اسے کہتا ہوں کہ تم بنک جاؤ وہ کہتا ہے جی میں جاؤں گا اور جاتا نہیں میں اسے کہتا ہوں کہ تجھے آج فلاں جگہ ڈیوٹی دینی ہے بالکل جی میں مانتا ہوں آپ کی بات مجھے قبول ہے من و عن اور کام نہیں کرتا تو اس پر تو ہمیں غصہ آجاتا ہے کہ اس نے کہہ دیا مانوں گا' مانا نہیں' عمل نہیں کیا۔ ہمارا اپنا ایمان بھی یہی ہے کہ ہم کہہ دیتے ہیں ہم مانتے ہیں عمل کی باری آتی ہے تو نہیں کرتے تو مومن اور کافر میں کس انداز سے فرق کریں۔ آج کے دور میں کون سی حد فاصل ہو؟ جو حد فاصل قرآن کریم نے رکھی ہے وہ یہی ہے کہ کافر کہتے تھے کہ آپ ﷺ کی بات ہمارے دلوں میں اثر نہیں کرتی اس لئے کہ ہمارے دلوں کے گرد خواہشات کے' نفسانیت کے' مادیت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ کیا ہمارے دل ذاکر ہیں؟ کیا ہمارے دلوں کے گرد خواہشات کے پردے نہیں؟ کیا ہمارے دلوں کے گرد وہی نفسانیت کی دیواریں نہیں؟ کیا ہماری ساری محنت' ساری جدوجہد' ساری زندگی محض خواہشات نفسانی کی تکمیل میں خرچ نہیں ہو رہی؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر تو بڑی بات ہے! اگر ہمارے دل پہ بات اثر کرتی ہے اللہ کی' اللہ کے رسول ﷺ کی تو پھر تو بڑی بات ہے۔ اب اس اثر کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اگر اس بات کا دل پر اثر ہے تو پھر دماغ بھی اسی کو سوچے گا' ہاتھ پاؤں بھی اس طرف چلیں گے پھر ہماری عملی زندگی حضور علیہ الصلواۃ والسلام کے تابع ہو جائے گی۔ دو ہی تو خانے ہیں۔ کفار نے بھی کہہ دیا جناب آپ ﷺ اپنا کام کریں ہم اپنا کریں گے دو ہی تو خانے ہیں ایک وہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے ایک وہ جو کافروں کا ہے اب ہم میں سے بہت اچھا مسلمان اس زمانے میں وہ ہے جو دو چار بار تو اس خانے میں چلا جاتا ہے جو حضور ﷺ کا ہے اور باقی سارا دن اس خانے میں گزارتا ہے جو کافروں کا ہے۔ میدان حشر میں اس بات کی پرکھ ہو گی اس بات کو تولا جائے گا کہ تمہارے پلڑے میں وہ وزن زیادہ ہے جو تو نے محمد رسول اللہ ﷺ کے خانے میں گزارا یا وہ وقت زیادہ ہے اس کا وزن زیادہ ہے جو کافروں کے خانے میں گزارا اور کتنی عجیب بات ہے کہ کبھی بھی اور کوئی کافر بھی بھول کر بھی نماز نہیں پڑھتا یعنی کوئی کافر بھی نماز نہیں پڑھتا یہ مسلمان ہی ہے جو نماز چھوڑ دیتا ہے یا تو یہ ہوتا کہ کبھی کبھی کافر کو بھی دورہ پڑتا وہ بھی نمازیں پڑھتا۔ پھر تو سمجھ آتی کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے کافروں میں بھی ہے مسلمانوں میں

بھی ہے کافر تو اپنے کفر پہ جما رہا اور مسلمان اسلام چھوڑ کر کافر جیسا بن جائے پھر کونسی مسلمانی رہے گی۔ کبھی کوئی کافر بھول کر بھی حضور ﷺ کی اطاعت کا نہیں سوچتا یہ مسلمان ہی ہے جو آپ ﷺ کی غلامی چھوڑ بیٹھتا ہے پھر کیا مسلمانی رہ گئی۔ بات عمل کی ہے اور عمل تب نصیب ہوتا ہے جب بات دل میں اثر کرے اگر دل میں اثر نہ کرے تو عمل نہیں ہوتا رواج ہوتا ہے مجبوری ہوتی ہے کسی کی دیکھا دیکھی ہوتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم نماز کے پابند تھے تو کئی لوگوں کو ہم نے دیکھا کہ فجر سے ان کے ساتھ ہیں اور پانچوں نمازیں پڑھ گئے اور کسی نماز کے لئے انہوں نے وضو نہیں کیا۔ وہ کوئی فرشتے تو نہیں تھے پانچ نمازیں انہوں نے پڑھ لیں اور فجر سے پھر رہے ہیں جنرل صاحب کے ساتھ عشاء تک وضو کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ فرشتے تو نہیں تھے وہ نماز مجبوری کی تھی وہ حکمران ہے وہ پڑھ رہا ہے تو اس کے ساتھ پڑھنی پڑے گی وہ بھی پڑھ لیتے تھے۔ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے وہ اس کا ٹوٹل پورا کرتے تھے۔ انہیں اس کے لئے وضو کی کیا ضرورت تھی وضو تو تب کرتے جب وہ واقعی نماز پڑھ رہے ہوتے۔ یہی حال ہمارا ہے کہ جہاں کہیں تھوڑا بہت ہو سکا وہ ہم نے عمل کر لیا اور اکثر اگر ہم تجزیہ کریں اپنی زندگی کا' اپنے دن بھر کے معمولات کا' اپنے شب و روز کا تو ہم جمع تفریق کر کے نکال سکتے ہیں۔

کسی بزرگ سے درخواست کی ایک آدمی نے کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ انہوں نے فرمایا کل صبح جب سو کر اٹھو تو کاغذ قلم لے لینا اور جو بھی بولو لکھ لینا رات سونے تک جو بات بھی کرو وہ لکھتے جانا اور پھر اگلی صبح وہ کاغذ میرے پاس لے آنا اس نے بڑی احتیاط کی۔ کہ جو بولنا ہے وہ لکھنا ہے لہٰذا مناسب بولا جائے پھر بھی کچھ جملے' کئی مذاق میں' کئی غصے میں تیز نکل گئے۔ اب دیانت داری کا تقاضا ہے لکھے بھی جائیں۔ دوسرے دن صبح جب وہ گیا تو کاغذ ساتھ نہیں تھا انہوں نے فرمایا کیا وجہ تو نے لکھا نہیں اس نے کہا حضور لکھا بھی ہے اور سارا دن زبان بھی بند رکھی ہے اس لئے کہ ہر بات کرتے کاغذ قلم ہاتھ میں ہوتا تھا تو بات کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ جو بولوں گا لکھنا پڑے گا جو لکھوں گا آپ کو دکھاؤں گا تو شرمندگی ہوگی اس کے باوجود احتیاط سے لکھتا رہا دن بھر خاموش بھی رہا پھر بھی کچھ جملے ایسے نکل گئے کہ میں وہ کاغذ آپ کو نہیں دکھا سکتا۔ انہوں نے فرمایا آج تو تیرے اختیار میں ہے تو نہ بھی لکھتا۔ کوئی غلط بات کہہ دیتا مگر نہ لکھتا تو میرے علم میں نہیں تھا اگر کچھ ناپسندیدہ باتیں تو نے اس میں لکھ لیں تو تو میرے لئے نہیں لایا لیکن کل میدان حشر میں تیری زبان سے ایک ایک لفظ جو نکلا ہے وہ لکھا ہوا بھی ہوگا اور اگلے لے بھی آئیں گے اور تجھے اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کے سامنے کھڑا بھی ہونا پڑے گا تو نصیحت صرف اتنی ہے کہ اس لمحے کو یاد رکھ کر بات کیا کر۔

ہم اگر اپنے کردار کا تجزیہ کریں نہ بھی لکھیں لیکن اتنا تکلف کر لیں کہ چند روز بھی اگر ہم شام کو عشاء کے بعد تھوڑا سا سوچ لیں کہ میں نے صبح سے اٹھ کر کتنے کام کئے جو نبی ﷺ کے بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق تھے اور کتنا اس راستے سے ہٹ کر چلا تو شاید ہم اپنی اصلاح کرنے کے بارے کچھ سوچ سکیں اور یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ جب تک دل اس بات کو تسلیم نہیں کرتا' جب تک ارشادات نبوی ﷺ' ارشادات باری' دل میں داخل نہیں ہوتے تب تک توفیق عمل ارزاں نہیں ہوتی۔ عملی زندگی کا حساب ہوگا۔ ہم حصول انصاف کے لئے تحریکیں چلاتے ہیں' نفاذ اسلام کی بات کرتے ہیں لیکن ہم کیسے عجیب لوگ ہیں کہ اپنے چھ فٹ کے وجود پر تو ہم اسلام نافذ نہیں کرتے اور دوسروں سے ہم توقع رکھتے ہیں کہ وہ پورے ملک پر کر دیں وہ بھی تو ہم جیسے نہیں ہم سے بھی گئے گزرے لوگ ہیں۔ ہم کوئی ٹوٹی پھوٹی نماز تو ادا کر لیتے ہیں انہیں وہ بھی فرصت ملے تو کرتے ہیں ورنہ وہ تو اکثر شرابی کبابی اور عیش کوش لوگ ہیں۔ آپ جنہیں ووٹ دیتے ہیں جنہیں آپ منتخب کرتے ہیں ان میں اکثریت عیاش لوگوں کی ہے' بے دین لوگوں کی ہے' بدکاروں کی ہے' کوئی چھوٹا موٹا اس میں کوئی شریف آدمی آجائے تو الاماشاءاللہ

تو اس آیہ کریمہ نے یہ حم السجدہ کی آیت ہے چوبیسویں پارے کی' اس آیت نے وہ فرق بتا دیا جو مومن اور کافر میں ہوتا ہے کافر کے دل پر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات اثر نہیں کرتی' کافر کہتا ہے کہ مجھے یہ بات سنائی ہی نہیں دیتی اور پھر عمل کے بارے وہ کہتا ہے کہ ایک دیوار ہے میرے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان اس لئے اے رسول اللہ ﷺ آپ اپنا کام کیجئے جو آپ ﷺ کو پسند ہے میں اپنی پسند کا کام کروں گا۔ اپنی رائے سے جینا اپنی پسند پر جینا کافر کا وطیرہ ہے اور اپنی پسند چھوڑ کر محمد رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق زندگی گزارنا یہ اسلام ہے۔ اللہ توفیق دے تو خود جانچ پرکھ کر دیکھئے کہ ہم اسلام سے کتنے دور ہیں اب اصلاح کا وقت ہے توبہ کا وقت ہے' توبہ کی فرصت ہے' واپس آنے کی مہلت ہے' کل جب آنکھ بند ہو جائے گی تو پھر واپسی کا راستہ بھی بند ہو جائے گا' واپسی کا وقت بھی ختم ہو جائے گا' دنیا کے کام ہوتے رہتے ہیں بھلے لوگوں کے بھی اور برے لوگوں کے بھی' صحت و بیماری من جانب اللہ ہوتی ہے' زندگی کے نشیب و فراز سے' نیک و بد سب کو گزرنا پڑتا ہے۔ جس طرح دنیا کے موسم ہیں' گرمی سردی ہے' بہار و خزاں ہے' جس طرح صبح' شام' دوپہر ہے جس طرح دن اور رات ہے اسی طرح زندگی میں آرام اور راحتیں بھی ہیں مشکلات اور تکلیفیں بھی ہیں اس کا ایک اپنا راستہ ہے جس راستے پہ یہ چلتی رہتی ہے' دیکھنے والی بات یہ ہے کہ ہر مشکل میں' ہر راحت میں' ہمیں اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت نصیب رہے۔ جہاں سے کوتاہی ہو گئی' غلطی ہو گئی' اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اللہ کریم سے معافی مانگیں' اللہ کو یاد کریں اور دل تک بات پہنچانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کثرت سے درود شریف پڑھا کریں وہ بھی دلوں کو نرم کرتا ہے' دل کو ذاکر کر لیجئے' اصل حقیقی طریقہ اصلاح قلب کا یہی ہے اللہ کریم توفیق عطا فرمائے۔

سوالات و جوابات

امیر محمد اکرم اعوان

سوال:۔ اولوالعزم انبیاء کو کن خصوصیات کی بنا پر اس خطاب سے نوازا گیا اور مختلف لطائف پر ان کی توجہ کی حکمت کیا ہے؟ کیونکہ ہم فقط نبی آخرالزمان کے امتی ہیں

جواب:۔ یہ ایک سوال میں دو سوال ہیں۔ انبیاء کے مختلف درجے ہیں کچھ نبی وہ ہیں جو صاحب شریعت نہیں ہوتے بلکہ جو پہلے سے نبی شریعت لایا ہوتا ہے۔ اس کی تائید کے لئے مبعوث کئے جاتے ہیں اور اسی شریعت کی تعلیم کو وہ زندہ کرتے ہیں۔ اور کچھ نبی وہ ہوتے ہیں جو صاحب شریعت ہوتے ہیں جو کسی دوسری شریعت کے احیاء کے لئے مبعوث نہیں ہوتے بلکہ خود شریعت لیکر مبعوث ہوتے ہیں علاوہ ازیں کچھ وہ رسول ہیں جنہیں اولوالعزم کہتے ہیں۔ اب یہ آدم علیہ السلام' نوح علیہ السلام' ابراہیم علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام یہ وہ رسول ہیں جو ساری برکات محمد رسول اللہ ﷺ سے وصول کرتے ہیں اور باقی انبیاء وہ برکات پھر ان کی ذوات مقدسہ سے وصول کرتے ہیں پھر آگے مخلوق انبیاء سے وصول کرتی ہے۔ یہ ایک باطنی کیفیت ہے۔

ساری کائنات کیلئے اللہ کے سوا جتنی مخلوقات ہیں ان کو جو برکات ملتی ہیں وہ وجود کے قیام کے لئے ہوں' مادی ہوں' غذا دواء کی صورت میں ہوں' مال و زر کی صورت میں ہوں' عزت واحترام کی صورت میں ہوں یا روحانی ہوں' قلبی ہوں' ایمان وعقائد کی صورت میں' توفیق عمل کی صورت میں یا اس سے بھی باریک تر کیفیات باطنی کی صورت میں ہوں تو ان سب میں جسے آپ برکت کہہ سکتے ہیں یا رحمت کہہ سکتے ہیں وہ اس وقت تک رحمت ہے جب تک اس میں برکات محمد رسول اللہ ﷺ شامل ہیں۔ جہاں کوئی نعمت بھی برکات نبوی سے خالی ہوئی وہیں باطنی یا ایمان کی کیفیات ختم ہو جاتی ہے۔ باقی رہ گئی مادی زندگی؟ مادی نعمتیں تو انسان استعمال کرتا رہتا ہے لیکن وہ بجائے رحمت کے عذاب بن جاتی ہیں۔ اگر ان میں برکات محمد رسول اللہ ﷺ شامل ہوں تو وہ رحمت ہیں اگر ان سے محروم ہو جائیں تو وہی عذاب بن جاتی ہیں۔ انبیاء علیہ الصلواۃ والسلام کی ذوات مبارکہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک وہ ہے جب وہ دنیا میں بحیثیت نبی مبعوث ہوتے ہیں یہ ان کی زندگی کا ایک رخ ہے۔ اس وقت جن لوگوں کی طرف وہ مبعوث ہوتے ہیں ان کا اس نبی پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے۔ ان کی اتباع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ دوسری کیفیت باطنی اور روحانی دنیا کی ہے جس میں ہر نبی روز اول سے تخلیقی طور پر ہی نبی ہے اور جو قلبی اور باطنی کیفیات اس کے ساتھ وابستہ ہیں وہ اسی دن سے اس کے وجود سے پہنچ رہی ہیں خلق خدا کو' اس کے لئے ان کا اس دنیا میں مبعوث ہونا شرط نہیں ہے۔ زندہ رہنا شرط نہیں ہے ان کے پیدا ہونے یا دنیا میں آنے سے پہلے جس طرح ان کی ذات سے برکات پہنچتی رہتی ہیں اسی طرح دنیا میں آکر چلے جانے کے بعد بھی ان سے برکات پہنچتی رہتی ہیں۔ ان کے چلے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو یہ ایک نظام ہے قدرت کا جو چلتا رہتا ہے تو وہ اللہ کے رسول ہیں جنہوں نے براہ راست یہ برکت حاصل کی۔

یہ ایک نظام قدرت ہے کہ اب اللہ نے سورج کو روشنی دے دی۔ اب سورج سے چاند اور ستارے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق روشنی لیتے ہیں پھر وہ کائنات پہ بکھرتے ہیں۔ ہر ایک کی روشنی کا تخلیق کائنات اور تصویر کائنات میں اپنا ایک الگ اثر ہے۔ دنیا کے موسموں اور فضاؤں میں' ستاروں کی روشنیوں کا اپنا اثر ہے۔ چاند کی روشنی کا اپنا اثر ہے بعض موٹے موٹے اثرات جو سائنس نے دریافت کئے ایک بات کا میں تذکرہ کردوں کہ سویڈن والوں نے سمندر کے کنارے ماہی گیری کیلئے سمندر میں دیوار بنائی۔ ایک بہت بڑی جھیل سمندر سے کاٹ لی دیوار بنا کر تاکہ اس کے راستوں سے جو مچھلی اندر آ جائے پھر اس کے گیٹ بند کر دیئے جائیں اور وہ آسانی سے پکڑی جاسکیں۔ تو کچھ دیر یہ چلتا رہا پھر اس میں مچھلیاں ختم ہونے لگیں عجیب بات ہے کہ یہ جھیل سمندر کے ساتھ منسلک ہے اور اس میں مچھلیاں نہیں ہیں تو اس پہ جب ریسرچ ہوئی تو پتہ چلا کہ جب چاند کی روشنی بڑھتی ہے اس کے ساتھ سمندر میں مدد جزر آتا ہے۔ جب چاند پورا ہوتا ہے تو سمندر بھی اچھل اچھل کر باہر نکلتا ہے اور جب وہ گھٹنا شروع ہو جاتا ہے تو سمندر بھی پیچھے پلٹنا شروع ہو جاتا ہے اس سے ہوتا یہ ہے کہ سمندر کے نیچے کا پانی اوپر آجاتا ہے اور اوپر کا نیچے چلا آتا ہے اوپر سے جو نیچے جاتا ہے وہ آکسیجن سے رچ ہوتا ہے یعنی اس میں زیادہ آکسیجن ہوتی ہے جو مچھلیوں کی بقا کا سبب بنتی ہے۔ اب جہاں انہوں نے دیوار بنا کر دو چار دس میل کا ٹکڑا سمندر سے کاٹ لیا تو دیوار کی وجہ سے اس میں مدد جزر کا آنا ختم ہو گیا نتیجتاً" اس جھیل کا پانی اٹنا پلٹنا بند ہو گیا' نیچے آکسیجن کم ہو گئی جس میں مچھلیاں داخل ہونا پسند نہیں کرتیں تو انہیں وہ دیوار ہٹانا پڑی اب بظاہر ہم سمجھتے ہیں سمندر کی اچھل کود اس کا چاند کے ساتھ کیا تعلق ہے یا اس کی کیا ضرورت ہے لیکن اس ایک تجربے نے ثابت کر دیا کہ چاند کی ایک ایک کرن اپنا الگ الگ کام کرتی ہے حالانکہ یہ خود سورج سے مستعار لیتا ہے۔ چاند کی تو

اپنی روشنی نہیں ہوتی اسی طرح سورج کی ایک ایک کرن کہاں کہاں کام کرتی ہے۔ یہ ایک نظام قدرت ہے جس طرح مادی دنیا میں سورج سورج ہے' چاند چاند ہے' ستارے ستارے ہیں۔ اسی طرح باطنی اور روحانی دنیا میں نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکات سورج ہے۔ اولوالعزم انبیاء چاند ہیں اور ان کے گرد بے شمار ستارے ہیں۔ ہر ایک کا اپنا اپنا کام ہے اب اس سوال کا دوسرا حصہ کئی دفعہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ مختلف لطائف پہ ان کی توجہ کی حکمت کیا ہے تو عرض ہے کہ ہمارے وجود کی اساس یا اصل' خاک ہے' مٹی ہے۔ لیکن اس مٹی میں مختلف عناصر شامل ہو گئے ہیں۔ آگ ہوا پانی جنہیں آپ عناصر اربعہ کہتے ہیں مٹی سمیت یہ چاروں ملتے ہیں تو اس میں جو بخارات بنتے ہیں ان سے جو ایک کیفیت بنتی ہے اسے نفس کہتے ہیں تو یہ پانچ ہو گئے۔ اسی طرح سے باطنی کیفیات جو ہیں ان میں جس طرح مادی عناصر کی حیثیت ہے۔ اسی طرح باطنی' روحانی کیفیات میں اولوالعزم رسولوں کی شان ہے۔ جس طرح سب کی اصل مادہ ہے اور مادے کی سب سے ٹھوس شکل مٹی ہے اسی طرح باطنی دنیا میں بھی سب کی اصل نبی علیہ الصلواۃ والسلام کے انوارات ہیں۔ سب وہیں سے حاصل کرتے ہیں لیکن پھر سب کی الگ الگ ایک حیثیت ہے اور وہ حیثیت جس طرح مادی غذا ہم کھاتے ہیں اس میں وہ سارے عناصر شامل ہیں مٹی' ہوا' آگ' پانی وہ سارے اس میں شامل ہیں آپ فروٹ کھائیں یا غلہ کھائیں وہ سارے عناصر اس میں شامل ہیں۔ پانی بھی موجود ہے' مٹی بھی موجود ہے' سورج کی گرمی نے اسے پکایا بھی ہے ہوا نے بھی اسے لوریاں دی ہیں ہر ایک کا حصہ اس میں شامل ہے۔ اسی طرح سب کے ہاں برکات محمد رسول اللہ ﷺ ہیں لیکن گندم گندم ہے' آم آم ہے' دال دال ہے' دودھ دودھ ہے' گوشت گوشت ہے۔ ہیں ساری غذائیں اور ہیں ساری مادے ہی کی مختلف صورتیں۔ اسی طرح یہ اولوالعزم رسولوں کی حیثیت ہے کہ یہ روحانی غذا فراہم کرتی ہے۔ ہر غذا کی اپنی خصوصیت ہے گندم کی اپنی ہے باجرے کی اپنی ہے۔ مکئی کی اپنی ہے اسی طرح ہر لطیفے کی ایک اپنی خصوصیت ہے اور وہ خصائص حضرت حافظ صاحب نے ایک رسالے میں لکھ بھی دیئے ہیں۔ کچھ تھوڑا سا آپ پڑھا بھی کریں کہ عملی زندگی میں تصوف کا کیا عمل دخل ہے تاکہ وہاں سے آپ کو پتہ چل جائے کہ پہلے لطیفے پہ آدم علیہ السلام کی اگر برکات آتی ہیں تو ان کا عملی زندگی میں کیا اثر آنا چاہئے تو ان کی صرف وہ برکات ہی نہیں ہیں بلکہ انسانی عملی زندگی کی تکمیل کے لئے ان خصوصیات کا انسان میں ہونا ضروری ہے۔

سوال:۔ نبی رحمت ﷺ کی ذات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے رحمتہ العالمین قرار دیا تو آپ کی حیات وبعثت سے قبل کی نوع انسانی آپ کی ذات سے کس طرح مستفید ہوتی ہے؟

جواب:۔ باطنی یا روحانی استفادہ کے لئے بعثت شرط نہیں ہے یا دنیا میں ہونا شرط نہیں ہے یا دنیا سے چلے جانا شرط نہیں ہے بلکہ بعثت کا تعلق اتباع اور شریعت سے ہے جسے ماننا اور جس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ لیکن برکات جو باطنی اور قلبی طور پر پہنچتی ہیں اس کے لئے آپ کی ذات جہاں بھی ہے جیسے بھی ہے۔ عالم امر میں ہے یا برزخ میں ہے کہیں بھی ہے جہاں بھی ہے وہ برکات بدستور اس طرح ساری کائنات کو پہنچتی رہتی ہیں۔

سوال:۔ ساتوں لطائف پہ ساتوں آسمانوں سے انوارات مترشح ہوتے ہیں کچھ ساتھیوں کے مطابق بڑے حضرت جیؒ سے طریقہ ذکر وارد ہے کہ لفظ اللہ دل میں جائے پھر "ہُو" عرش سے ٹکرا کر واپس دل پر آکر لگے؟

جواب:۔ یہ "جو کچھ ساتھی" ہیں یہ بڑے حضرت جیؒ سے کب ملے اور ان پر بڑے حضرت جیؒ نے کتنا اعتماد کیا اور انہیں کون کون سی ذمہ داری سونپی؟ اگر نہیں تو کس نے انہیں حق دیا ہے کہ روز ایک نیا طریقہ ذکر ایجاد کریں۔

کوئی بھی جو بات کی جاتی ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر آدمی اسے اپنی استعداد کے مطابق سمجھتا ہے اور دوسری مصیبت یہ ہے کہ یہ لوگ شہد کو دوا کی بجائے زہر بنا لیتے ہیں۔ شہد سب سے اچھی دواء ہے۔ قرآن حکیم نے فرمایا فیہ شفاء للناس لیکن کسی کے منہ میں دو بوتلیں انڈیل دیں تو اس کے مرنے کے لئے وہ شفاء کافی ہے۔ تو ساتھیوں میں اللہ اللہ کرنے سے کیفیات کم آتی ہیں پیری زیادہ گھس جاتی ہے اور ہر آدمی اپنی ایک اہمیت بنا لیتا ہے اور پھر یہ روایت یہ کرتے ہیں کہ وہ جی بڑے حضرت جیؒ نے تو ایسے کہا تھا۔ یہ ایسے کہتے ہیں۔ بھئی بڑے حضرت جیؒ نے مجھے ذمہ داری سونپی تھی اور میں ان کے سامنے جواب دوں گا تم کون ہوتے ہو۔ بڑے حضرت جیؒ نے تو ذمہ داری صرف مجھے سونپی تھی اور ابھی تک وہ کیسٹیں موجود ہیں لنگر مخدوم کی جن میں جو باقی دو حضرات آپ نے نامزد فرمائے تھے صاحب مجاز ان کو بھی پابند کیا تھا کہ فناہ فی الرسول اگر کسی کو بیعت کرانے کی ضرورت ہوگی تو آپ اس شخص کے پاس جائیں گے۔ اس کی اجازت آپ نے کسی کو نہیں دی تھی۔ جس طرح یہ روائتیں کر رہے ہیں اسی طرح دوسروں نے بھی بعد میں وہ روائتیں گھڑیں اور خود تحریریں لکھ لکھ کر حضرت سے ان پر دستخط لیتے رہے۔ جو بیان مشائخ کے روبرو حضرتؒ نے لنگر مخدوم میں فرمایا تھا وہ ابھی تک موجود ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر آدمی کو پیر بننے کا ہیضہ ہو گیا اور اب تو خواتین میں یہ مصیبت اور زیادہ ہو گئی' ہر خاتون پیر بنی ہوئی ہے دوسروں کیلئے۔ بلکہ بعض یہاں آکر بھی دم درود بتاتی ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جب خود کو تکلیف ہوتی ہے باں باں کرتی ہیں تو روتی پیٹتی آتی ہیں جب یہاں رات رہ لیں تو جو دوسری آئے اسے پھر دم بتاتی ہیں اسے کہتی ہیں تجھے میں دم کرتی ہوں تو یہ انہیں شوق ہے۔ اللہ کا مجھ پر یہ احسان ہے کہ رب کریم نے مجھے اس بات کی بنیادی اینٹ بنایا۔ اس جماعت کی بنیاد بفضل اللہ میں نے رکھی۔ اس کے اجتماع میں نے شروع کئے تب سے اب تک میرے پاس یہ شروع بھی الحمدللہ میری ذات

سے میرے مکان پر' میرے گھر پر ہی ہوتے اور ابھی تک جاری وساری ہے اور ایک ویرانے سے' جنگل سے شروع ہو کر یہ داستان روئے زمین پر پھیل گئی۔ مجھے سمجھ نہیں آتی اور انہیں سمجھ آگئی بڑے حضرت جیؒ سے۔ یہ انہیں پیری کا شوق ہے۔ طریقہ ذکر یہی ہے جو میں بتاتا ہوں' جو میں سمجھاتا ہوں اس کے علاوہ کوئی اپنی نالائقی سے' کمزوری سے کسی طریقے سے کرتا ہے تو اسے بھی برکات پہنچتی رہتی ہیں لیکن یہ خود درمیان میں پیر بن جاتے ہیں ان کو پھر برکات پہنچنا بند ہو جاتی ہیں۔ غلطی سے اس طریقے کے خلاف کرنا نقصان نہیں دیتا۔ عملاً" ایک طریقہ ایجاد کرنا ان برکات سے منقطع کر دیتا ہے۔ اس کا تعلق آسمانوں سے نہیں ہے۔ لطائف کا تعلق اولوالعزم انبیاء سے ہے یہ الگ بات ہے کہ آدم علیہ السلام کی ذات کا مقام پہلا آسمان ہے۔اسی طرح دوسرے آسمان پر نوح علیہ السلام' ابراہیم علیہ السلام' تیسرے پر موسیٰ علیہ السلام' چوتھے پر عیسیٰ علیہ السلام اور پانچویں آسمان پر نبی اکرم ﷺ کی وہ برکات ہیں جو پانچویں لطیفے کو روشن کرتی ہیں۔ یہ پانچ مقام ایسے ہیں جہاں سے طالب کیلئے ان پانچ انبیاء علیہم السلام کی برکات پانچوں لطائف پر آتی ہیں۔ لیکن ہمارے طریقہ ذکر میں نہ تصور کرنے کی ضرورت ہے نہ اس کی اجازت ہے یہ اطلاع کیلئے بتا دیا جاتا ہے۔ ذکر وہ صرف یہ کرتا ہے کہ لفظ "اللہ" دل میں جا رہا ہے "ہو" کے ساتھ باہر آنا ہے' "ہو" کی چوٹ دل پہ لگتی ہے سادہ سی بات ہے یہ اطلاع کیلئے بتا دیا جاتا ہے جب وہ ذکر پہلے لطیفے پر کرتا ہے ازخود آدم علیہ السلام سے رابطہ قائم ہے اور یہ رابطہ قائم کرانا شیخ کی ذمہ داری ہے۔ تصور کرنے سے قائم ہوتا تو شیخ کی ضرورت ہی نہیں رہتی جہاں کوئی بیٹھتا تصور کر کے کر لیتا اور طریقہ ذکر یہی ہے جو آپ بتایا جاتا ہے۔ تو یہ بڑا واضح ہے سن لیں۔ کسی کو سمجھ نہیں آتی یا غلطی لگ جاتی ہے تو جس طرح بھی ذکر کرتا ہے پوری نہ سہی آدھی برکات ضرور پہنچتی ہیں۔ لیکن جو نیا طریقہ ایجاد کرتا ہے اسے سلسلے کی برکات نہیں پہنچتی یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ

پھر وہ کہاں سے لے' کیسے لے اور جتنے موجدین ہوئے ہیں میں نے آج تک انہیں دیکھا ہے کہ بالآخر دھکے کھا کر جماعت چھوڑ جاتے ہیں۔ رہ نہیں پاتے چونکہ اپنا راستہ جب الگ کر لیتے ہیں تو رشتہ یہاں رہتا نہیں۔ ہر شعبے میں ایک بائنڈنگ فورس ہوتی ہے ایک ایسی طاقت ہوتی ہے جو لوگوں کو جوڑ کر رکھتی ہے اب جیسے ظاہری طور پر آپ دیکھیں سب نے مل کر ڈھاکے سے لیکر کراچی تک مسلمانوں نے مل کر پاکستان بنایا ایک مشرقی بن گیا ایک مغربی بن گیا۔ قربانیاں دیں' لوگ شہید کرائے' مال لٹائے پھر الگ کیوں ہو گئے اس لئے کہ بائنڈنگ فورس اسلام تھی' متحد تھے اسلام کیلئے۔ جب حکومتیں بن گئیں اور اسلام درمیان سے نکل گیا تو وہ طاقت جو جوڑ کر رکھنے والی تھی وہ ختم ہو گئی لوگ الگ الگ ہو گئے۔ اب یہاں ملک میں دیکھ لو۔ صوبوں کی بات چل رہی ہے۔ لسانیات کی بات چل رہی ہے لوگ الگ الگ ہیں' کیوں الگ الگ ہیں؟ اس لئے کہ اور کوئی بائنڈنگ فورس ہی نہیں۔ زبانیں مختلف ہیں' رنگ مختلف ہیں' سوچیں مختلف ہیں' خاندان مختلف ہیں کوئی ایسی طاقت جو جمع کر کے رکھے وہ اسلام ہے۔ اب اگر اسلام سرکاری سطح پر نہیں ہو گا تو سرکاری سطح پر قوم متحد بھی نہیں ہو گی بائنڈنگ فورس ہی نہیں ہے اس میں۔ اسی طرح سلسلے کی بائنڈنگ فورس میں سلسلے کے طریقے' اس کے قواعد وضوابط' شیخ کے ساتھ تعلق اس کی اطاعت یہ ضابطے ہیں۔ اب اگر کوئی الگ اپنی پسند سے ایجاد کرتا ہے تو درمیان سے بائنڈنگ فورس چلی گئی۔ وہ ایک دن دو دن ساتھ چلے گا چار دن چلے گا آخر الگ ہو جائے گا۔

سوال:۔ ضمیر' نفس' ہمزاد' روح کون کس درجے پر ہے کس کی کیا فیلڈ ہے؟ کیا ہمزاد جسم میں حلول کر کے رہتا ہے؟

جواب:۔ ضمیر تو انسانی فکر کا نام ہے۔ اگر وہ صالح ہو تو کہتے ہیں اس کا ضمیر زندہ ہے۔ اگر فکر غیر صالح ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس کا ضمیر مر گیا ہے۔ نفس جب مادہ ملتا ہے آگ مٹی ہوا اور پانی تو اس سے جو غبار یا بخارات پیدا ہوتے ہیں اسے نفس کہتے ہیں نفس ذاتی طور پر کسی برائی کا نام نہیں ہے۔ لیکن چونکہ مادے سے پیدا ہوتا ہے اس کا رجحان مادی زندگی کی طرف ہوتا ہے۔ مادی زندگی کا شعور ہوتا ہے۔ مادی لذتوں سے آشنا ہوتا ہے تو وہ آدمی کو مادی لذات کی طرف کھینچتا ہے۔ اب اگر آدمی نے ایمان ہی قبول نہیں کیا' اطاعت الٰہی نہیں کی تو وہی نفس نفس امارہ بن جاتا ہے' برائی کا حکم کرنے والا۔ اگر ایمان قبول کر لیا اور تعلیمات نبوی اس تک پہنچ گئیں اور انہیں ماننے بھی لگا تو پھر اسی نفس میں تبدیلی آجائے تو وہ نفس لوامہ بن جاتا ہے' برائی پر ملامت کرنے والا۔ اس سے غلطی ہو جائے تو اسے دکھ ہوتا ہے۔ ملامت کرتا ہے' اس سے آگے بڑھ کر کسی نے برکات نبوی حاصل کر لیں پھر اس کا سینہ انوارات وبرکات سے روشن ہو گیا تو وہی نفس' نفس مطمئنہ بن جاتا ہے جو وصال الٰہی کے ساتھ مطمئن ہو جاتا ہے۔ قرار پکڑ لیتا ہے اس لئے نفس فی نفسہ یا ذاتی طور پر برا نہیں ہوتا یہ انسان میں استعداد ہے کہ وہ ایمان قبول کر کے تعلیمات نبوی حاصل کر کے اسے نفس لوامہ بنائے یا اس سے آگے بڑھ کر محنت ومجاہدہ کر کے' اطاعت الٰہی کر کے ایسے نفس کو نفس مطمئنہ میں تبدیل کر لے۔

روح امر الٰہی ہے۔ اس کی تخلیق امر الٰہی سے ہے۔ اب کیسے ہے۔ کیوں ہے یہ انسانی فکر سے بالاتر ہے۔ یہ وہ لطیفہ ربانی ہے جو امر الٰہی سے متعلق ہے اور جو وجود کو حیات بخشتا ہے اور اگر الگ ہو جائے تو مادہ بکھر جاتا ہے نفس بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ذرہ ذرہ خاک کا واپس چلا جاتا ہے۔ لیکن روح چونکہ عالم امر سے ہے' امر الٰہی سے ہے۔ اس کے لئے فنا نہیں ہے۔ یہ روز پیدا نہیں ہوتا بلکہ روز ازل سب ارواح ایک ساتھ تخلیق کی گئیں۔ امر الٰہی سے ہیں اس لئے فنا نہیں ہے ہمیشہ رہیں گی۔ بدن کے ساتھ اس کا تعلق قائم ہوتا ہے۔ بدن میں حیات آجاتی ہے اس کا تعلق منقطع ہوتا ہے اسے موت کہہ دیتے ہیں آخرت میں پھر سے قائم ہو گا۔ پھر سے حیات کہلائے گی ان کا اپنا

اپنا فیلڈ جو ہے وہ ساتھ بیان ہو گیا رہی بات ہمزاد کی۔ ہمزاد ایک شیطان ہے۔ ابلیس پھر ابلیس کی بے شمار اولاد۔ پھر جنات میں سے اسے ماننے والے۔ پھر انسانوں میں سے شیاطین "الانس والجن" یہ پچاس کی دہائی کی بات ہے۔ پچاس کی دہائی کے آخری سالوں میں حضرت رحمتہ اللہ علیہ اور میں آزاد کشمیر گئے ایک جلسہ تھا واپسی پر راولپنڈی۔ دارالخلافہ وغیرہ اسلام آباد نہیں آیا تھا کراچی تھا تو اس موضوع پر بات چلتی رہی تو حضرتؒ فرمانے لگے کہ انسانوں کی تعداد جنوں کے مقابلے میں 1/10 ہوگی یعنی اگر ایک حصہ انسان ہیں تو دس گنا جنات زمین پر ہیں۔ ہونے بھی چاہیں کہ انسانوں سے بہت پہلے سے آباد تھے پھر ان میں بھی تو توالد وتناسل ہے اور آپ نے فرمایا جو شیاطین ہیں وہ جنوں اور انسانوں کی تعداد مل کر ان سے دس گنا ہیں۔ اس لئے کہ ان کی عمریں ہزاروں سالوں میں ہوتی ہیں۔ توالد وتناسل تو اسی طرح جاری ہے اور موت ان کی جو ہے بڑی دیر بعد ہوتی ہے۔ ہزاروں سال زندہ رہتے ہیں اور اب ایک جن نبی علیہ الصلواۃ والسلام پر ایمان لایا اور اس نے موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلواۃ والسلام کا سلام پہنچایا کہ میں ان پر ایمان لایا تب سے میں مسلمان آرہا ہوں اور انہوں نے مجھے فرمایا تھا کہ تمہاری عمریں طویل ہوتی ہیں۔ وہ شیطان کی نسل سے تھا تو اگر نبی کریم ﷺ کا زمانہ پاؤ تو میرا سلام پہنچا دینا۔ اتنی طویل عمریں ہوتی ہیں ان کی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حالات میں ملتا ہے کہ کسی شخص نے کتاب کھولی اس میں چھوٹا سا سانپ تھا لائبریری سے کوئی کتاب نکالی کتابوں میں سانپ تھا اس نے مار دیا۔ وہ جب مارا گیا تو وہ جنات کے کسی سردار کا بیٹا تھا۔ جن تھا دراصل سانپ نہیں تھا۔ سانپ کی شکل میں منتقل تھا' مارا گیا تو سردار نے اس بندے کو اٹھوا لیا اس پر باقاعدہ جنات کے ہاں مقدمہ چلا۔ اس نے کہا جی میں نے تو سانپ مارا ہے۔ کوئی جن نہیں مارا۔ سانپ مارنے کی تو کوئی سزا نہیں ہے۔ شریعت اسلامیہ میں تو انہوں نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے گزارش کی کہ آپ تشریف لائیں اور ہمیں یہ مسئلہ بتائیں کہ اگر کوئی جن سانپ بنا ہوا ہو کوئی آدمی اسے مار دے تو کیا ہم اس سے انتقام لے سکتے ہیں تو شاہ صاحب نے وہ واقعہ سنایا جو سیرت میں موجود ہے احادیث میں کہ ایک صحابی باہر سے تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی نوجوان بیوی گلی میں کھڑی ہے بغیر پردے کے چیخ چلا رہی ہے۔ وہ بڑے ناراض ہوئے انہوں نے تلوار اٹھالی اس نے کہا اندر دیکھو تو سہی۔ انہوں نے صحن میں دیکھا تو بہت بڑا سانپ پھن پھیلائے کھڑا تھا جس سے ڈر کر وہ باہر بھاگ آئی۔ وہ اندر داخل ہوئے تلوار کے دھنی لوگ تھے ماہر تھے انہوں نے ایک ہاتھ مارا اور سانپ کٹ گیا درمیان سے کٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ صحابی بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ نے ان کا وجود اٹھا لیا اور بارگاہ نبوی میں لے گئے کہ یا رسول اللہ انہیں دم کیجئے یا دعا کیجئے آپ نے فرمایا یہ تو فوت ہو چکے ہیں عرض کی گئی یا رسول اللہ آپ دعا فرما دیجئے دوبارہ زندہ ہو جائیں تو حضور ﷺ نے فرمایا ایک شرط پر یا تو اسے اسی حالت میں رہنے دیں اور اس کی جنت کا میں ذمہ دیتا ہوں اور یا میں دعا کرتا ہوں یہ زندہ ہو جائے تو اس کی ذمہ داری میری نہیں ہے۔ پھر خدا جانے اس کا انجام کیا ہو بہتر ہو نہ ہو یہ میری ذمہ داری نہیں ہے تو پھر سب نے کہا جی نہیں پھر اسے اس حال میں رہنے دیں یہ اپنی منزل پر پہنچ گیا ہے۔ تب حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا کہ اسے جنوں نے قتل کیا ہے۔ جس سانپ کو انہوں نے سانپ سمجھ کر مارا تھا جن تھا جنات نے اسے قتل کر دیا لیکن آج میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جنات کیلئے یہ حکم ہے کہ وہ کسی انسان کے سامنے سانپ یا موذی جانور بن کر نہ آئے اور اگر آئے تو بیشک مار دیں ان کا کوئی یہ بدلہ نہیں لے سکتے انہیں کوئی اجازت نہیں ہے۔ یہ واقعہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اس محفل میں بیان کیا تو وہاں ایک بوڑھا سا جن بیٹھا تھا اور اس کے یہ پپوٹے ڈھلک گئے تھے اس طرح سے اس نے آنکھ کھولی شاہ صاحب کو دیکھا اور کہنے لگا بڑھاپے نے میرا حافظ کمزور کر دیا آپ نے بات کی تو مجھے یہ واقعہ یاد آگیا میں اس عینی شاہد ہوں میں وہیں تھا۔ کہاں عہد نبوی اور کہاں شاہ صاحب تو شاہ عبدالعزیز دہلوی کہتے ہیں کہ میں خود کو تابعی سمجھتا ہوں میں نے صحابی کی زیارت کی ہے۔ شاہ صاحب یہ قصہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں تابعی ہوں میں نے ایک ایسے جن کی زیارت کی ہے جو صحابی تھا محمد رسول اللہ کا۔ تو بات چلی تھی ہمزاد سے یہ جو میں عرض کر رہا ہوں شیاطین کی تعداد کہ جنوں اور انسانوں کی مجموعی تعداد سے دس گنا زیادہ ہیں اس کے علاوہ ایک شیطان پیدا ہوتا ہے ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ ہے۔ اسے ہمزاد کہتے ہیں۔ وہ پوری زندگی اسی کے ساتھ رہتا ہے بندہ جب مرتا ہے پر چونکہ ان کی عمریں طویل ہوتی ہیں جہاں اس کی قبر بنے جہاں اس کی وہ اساس وجود کی جو ہوتی ہے وہ وہاں بیٹھا رہتا ہے۔ دوسرے کے ساتھ سروکار نہیں رکھتا۔ اس آدمی کے لب ولہجہ سے اس کے قد کاٹھ سے، اس کے لباس سے واقف ہوتا ہے اور یہ جو یورپ میں روحیں بلاتے ہیں عامل تو روحوں کو بلانا تو ممکن نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر روح جنتی ہے اور اسے دنیا میں عامل بلالیں تو اس کے جنتی ہونے کا فائدہ؟ وہ تو اس کے لئے ایک الگ عذاب ہے اور اگر جہنمی ہے تو عاملوں کو یہ قوت نہیں ہے کہ کسی دوزخی کو دوزخ سے پکڑ کر نکال لائے۔ روحیں نہیں آتیں وہی ہمزاد جو ہیں وہ ان کی شکل بنا کر عاملوں سے بات کرتے ہیں اور ان کے حالات سے واقف ہوتے ہیں۔ لب ولہجہ سے واقف ہوتے ہیں ساری ان کی رشتہ داریاں لین دین' ساری زندگی ساتھ رہتے ہیں جب آپ ﷺ نے یہ بات بتائی تو پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ بھی یہ تھا تو فرمایا میرے ساتھ بھی ایک شیطان پیدا ہوا لیکن میرے والا مسلمان ہو گیا تو اسے اصطلاح میں ہمزاد کہتے ہیں۔

امراض جلد اور علاج نبویؐ (چنبل)

ڈاکٹر خالد غزنوی

چنبل

جلد کی ایک افسوسناک مزمن سوزش ہے جس میں زخموں پر سفید چھلکے آتے رہتے ہیں۔ یہ وراثت میں بھی آسکتی ہے اور خاندانوں میں بھی چلتی ہے۔ لیکن متعدی نہیں۔ اس کے داغ نمایاں' واضح' سرخ جن پر ابرق یا چاندی کی طرح کے چھلکے چمکتے رہتے ہیں۔ چھلکے جلد کے ساتھ چپکے ہوئے ہوتے ہیں۔ آسانی سے اترنے میں نہیں آتے۔ اگر ان کو چھیل کر اتارا جائے تو خون کی چھوٹی بوندیں کئی جگہوں سے نکلتی ہیں۔ چھلکے کے نیچے زخم سرخ داغ کی شکل میں ملتا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد چھلکا پھر سے آجاتا ہے۔

یہ دنیا کے ہر ملک میں ہوتی ہے اور ہر جگہ کثرت سے پائی جاتی ہے لیکن یہ ایک فنی بدقسمتی ہے کہ ہم آج بھی اس کا سبب نہیں جانتے۔ بلکہ اس کا یقینی علاج بھی معدوم ہے۔ اب تک صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ یہ مزمن سوزش کی ایک قسم ہے جو بغیر کسی سبب کے ظاہر ہوتی ہے لیکن خاندانی طور پر اس بیماری کا امکان زیادہ ہونے والے افراد میں گلے کی سوزش' جسمانی سوزشیں' ذہنی بوجھ' چیچک کا ٹیکہ لگوانے کے بعد اس کا حملہ شروع ہو سکتا ہے۔ کچھ مریضوں کو کونین یا پیلی کونین کھانے کے کچھ عرصہ بعد اس بیماری کا آغاز ہوا۔

علامات:۔ ایک سرخ دھبے پر چھوٹا سادانہ نمودار ہوتا ہے جس پر چاندی کے سفید چھلکے آجاتے ہیں۔ یہ دانہ اپنے طول وعرض میں اضافہ کرکے بڑھنے لگتا ہے اور چھلکے بھی چوڑے ہوتے جاتے ہیں۔ ان چھلکوں کے نیچے ایک باریک جھلی ہوتی ہے۔ جس کو کھرچنے سے خون کی بوندیں نکلتی ہیں اور یہ مظاہرہ چنبل کی تشخیص کا ایک اہم نکتہ ہے جسے Auspitzsign کہتے ہیں۔

چنبل کے داغ جسم کے سامنے والے حصوں پر زیادہ نکلتے ہیں جیسے کہ کہنی' گھٹنا' کمر سے نیچے۔ اگرچہ یہ جسم کے کسی بھی حصے کو متاثر کر سکتی ہے لیکن اس کی ایک خصوصی قسم محض سر پر نکلتی ہے۔ اور وہ صرف اسی جگہ پر ہوتی ہے۔ ہاتھوں اور پیروں پر نکلتی ہے تو چھلکوں میں دراڑیں پڑ کر ایک ایسی کیفیت بن جاتی ہے جیسے کہ ایڑیاں پھٹ جاتی ہیں۔

ناخنوں میں گڑھے پڑتے ہیں ان کا رنگ اڑ جاتا ہے موٹے ہو جاتے ہیں اور بیماری کی زد میں آنے کے بعد تقریباً" ختم ہو جاتے ہیں۔

داغ' دانے اور چھلکے تعداد میں مختلف ہوتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ صرف چند معمولی سے چھلکے موجود ہوں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ پورا جسم بھرا ہوا ہو۔

ریڑھ کی ہڈی اور انگلیوں کے جوڑوں پر اگر اس کا حملہ ہو تو بیماری اندر گھس کر جوڑ کی ہڈیوں کو متاثر کرتی ہے۔ اور گنٹھیا جیسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ گنٹھیا نہیں ہوتا۔ لیکن علامات وہی ہوتی ہیں۔

چوٹ لگنے کے بعد۔ آپریشن کے مندمل ہو چکے نشان سے چنبل کا آغاز ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ تین سال سے کم عمر میں نہیں ہوتی۔

شکل وصورت کے اعتبار سے یہ بیماری مندرجہ ذیل شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

1- چھوٹی چھوٹے دانے' جیسے کہ بارش کے قطرے ہوں۔ یہ چھوٹے بچوں میں اور گلا خراب رہنے والوں میں زیادہ نظر آتے ہیں۔

2- انگوٹھی کی مانند۔ چمکدار گولائی میں چھلکوں کی دیوار اور اس کے اندر کا حصہ بالکل صاف۔

3- چاندی کے سکوں کی مانند ابھرے ہوئے گول دائرے۔

4- پیروں پر لمبے چوڑے داغ جو ٹانگ سے آنے والے داغوں سے مل جاتے ہیں۔

5- کہنی اور گھٹنے کی پچھلی جانب۔ بڑی عمر کی خواتین میں۔

6- بیماری کے دنوں میں بعض دواؤں' زیادہ دھوپ اور گرمی کی وجہ سے پیپ والی سوزش کی بدولت چھلکے اترنے لگتے ہیں۔ یہ قسم مہلک بھی ہو سکتی ہے۔

7- وہ مریض جو اندھا دھند کورٹی سون کے مرکب اندرونی اور بیرونی طور پر استعمال کرتے ہیں ان میں پیپ کے بڑے بڑے جزیرے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ زخم زیادہ تر ہاتھوں اور پیروں پر ہوتے ہیں اور ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر یا ایک جگہ پر گروہوں کی صورت نکلتے ہیں۔

چنبل میں زیادہ تر خارش نہیں ہوتی۔ لیکن کچھ مریض اس کی شکایت بھی کرتے ہیں غالباً" یہ خارش چھلکوں کے احساس اور ان میں خشکی سے محسوس ہوتی ہے ورنہ خارش بیماری کی علامت نہیں ہے۔

چنبل جب سر میں نکلتی ہے تو بالوں کو متاثر نہیں کرتی۔ بلکہ کچھ مریض ایسے بھی دیکھے جاتے ہیں جن کے بالوں کے بڑھنے کی رفتار بہتر ہو جاتی ہے۔ دونوں صورتیں بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ علاج کے سلسلہ میں جو ادویہ استعمال کی گئیں انہوں نے بالوں کی نشوونما پر اچھے یا برے اثرات ڈالے ہوں۔ وہ مریض جو ہمارے مسلسل مشاہدے میں رہے ان میں سے چند ایک ایسے بھی تھے جن کے زیادہ تر داغ سر میں تھے۔ لیکن مدتوں چھلکے پڑے رہنے کے باوجود ان کے سروں میں گنج نمودار نہیں ہوتے۔

مختلف مریضوں میں بیماری ان صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

1- سر کے بالوں کے اختتام پر باقاعدہ حد فاصل بنی ہوئی ہوتی ہے۔

2- جوڑوں کے آس پاس' بغلوں' ج ران' چھاتیوں کے نیچے اور کہنیوں کے اندر چھلکے بنے رہتے ہیں۔

3- سر کے چھلکے دوسری جگہوں سے موٹے اور ان میں نیلگوں سرخی جھلکتی ہے۔

یہ بیماری اپنے آپ آتی ہے کبھی خود بخود بڑھنا شروع ہو جاتی ہے اور کبھی اس کا اپنے آپ زور ٹوٹ جاتا ہے۔ اگرچہ اس دوران جسم میں دوسرے معاملات کو ملائیں تو کبھی یہ چوٹ۔ گلے اور گردوں کی خرابیوں اور پیشاب میں شکر کی زیادتی سے بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کبھی ان ہی حالات کے باوجود ان میں کمی آجاتی ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اس کا آنا اور جانا ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا۔

علاج

یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ بیماری کا شافی علاج ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا اور جو کچھ بھی کیا جاتا ہے۔ مریض کا دل رکھنے کے لئے ہوتا ہے۔ البتہ بدنما چھلکوں کو کچھ عرصہ کے لئے اتارا جاسکتا ہے۔ یا ان کی تعداد کم کی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ عمل وقتی طور پر ہوتا ہے۔ جہاں دوائی لگانے میں سستی کا مظاہرہ ہوا یا ایک ہی دوائی زیادہ عرصہ تک استعمال کی گئی بات پھر سے بگڑ جاتی ہے۔

برطانیہ میں رواج ہے کہ تشخیص کے بعد ڈاکٹر مریض کو بیماری کی نوعیت سمجھاتا ہے اسے بتاتا ہے کہ یہ بیماری تمہارے خاندان کے لئے خطرناک نہ ہوگی اور تمہاری جان کو بھی خطرہ نہ ہوگا البتہ مکمل شفا ابھی تک ہمارے اختیار میں نہیں مریض کو کچھ حوصلہ ہو جاتا ہے اور وہ اطمینان سے ایک لمبے سفر کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

مرض کی دہشت کم ہو جانے پر ٹانگوں اور پیٹ پر داغوں کے اکثر مریض اپنے کپڑوں کو خراب کرنے والے مرہم بھی نہیں لگاتے۔ کیونکہ مرہموں سے صرف وضع داری قائم ہوگی اور شفا کا کوئی اندیشہ نہیں۔ ایسے میں بیکار سے کپڑے خراب کرنے کا کیا فائدہ؟ البتہ داغ اگر لباس سے باہر نظر آتے ہوں تو دوائی لگانا مجبوری بن جاتی ہے۔ تاکہ شخصیت خراب نہ ہو۔

طب جدید میں لوگ ابتدا سے ہی مختلف مرہم استعمال کرتے آئے ہیں جن میں زنک کا مرہم' پارے کا مرہم' پرانے استاد پارا کے ساتھ ایمونیا کے مرکبات یا پارا کی مشہور مرہم Scott's-ointt کو زیادہ پسند کرتے ہیں ان میں برٹش فارمولا کو پیا کی cinti Whitfield's یا Ung-Hydrarg Ammon کو استعمال کرتے تھے۔ کرنل الٰہی بخش" کی پسند انہی تک محدود تھی۔ البتہ ابتدا میں اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ سنکھیا کے مرکبات بڑے مفید رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں Liq-Arsenicalis کے ایک قطرے روزانہ سے شروع کرکے دس قطرے تک جاتے تھے۔ پھر اسی طرح روزانہ ایک قطرہ پیچھے جاتے ہوئے واپس ایک قطرے پر آجاتے تھے۔ ہم نے یہ علاج کرنل خواجہ محمد اسلم کی نگرانی میں متعدد مریضوں کو دیا۔ لیکن جواب غیر یقینی ثابت ہوا۔

مرہمیں

12.5 گرام Calamine.

12.5 گرام Zinc Oxide.

2.5 گرام Coal Tar Sol.

25.0 گرام Hydrous Wool Fat.

47.5 گرام White Vaseline.

زمانہ قدیم سے تارکول کی چنبل میں بڑی شہرت رہی ہے۔ یہ نسخہ ان میں سے مثالی ہے۔ جسے آکسفورڈ یونیورسٹی میں پسند کیا جاتا ہے۔

Lessar's Paste

24 فیصدی Zinc Oxide

24 فیصدی Starch

2 فیصدی Salicylic Acid

50 فیصدی White Vaseline

اس میں تارکول نہیں اس کی بجائے زنک اور سیلی سلک ایسڈ ہیں۔ جن کو ہمیشہ سے پسند کیا گیا ہے کیونکہ سیلی سلک ایسڈ چھلکے اتار دیتا ہے۔ ایک اچھا پاکستانی مرہم Seporex کا نسخہ بھی یہی ہے۔

Lessar's Paste Dithranol

0.5 فیصدی Dithranol

1.0 فیصدی Salicylic Acid

5.0 فیصدی Hard Parafin موم

اس میں موم کے ہم وزن زنک کی مرہم شامل کرلی جائے۔ اس نسخے میں Lessar's Paste کے ساتھ Dithranol ملائی گئی۔ یہ دوائی حال ہی میں آئی ہے۔ اور آتے ہی بڑی مقبول ہوگئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے سالوں کا سفر مہینوں میں طے کر دیا۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ماضی میں چھلکے اتارنے اور سرخی کو کم کرنے کے لئے کورٹی سون کے مختلف مرکبات استعمال کئے جاتے تھے۔ مگر اب ڈاکٹروں میں اس امر پر اتفاق ہے کہ اس دوائی کو خواہ بیرونی استعمال کے لئے دیں یا اندرونی' دونوں صورتوں میں نقصان دہ ہے۔

Dithranol کو برٹش فارما کوپیا نے بطور ایک مفید دوائی کے تسلیم کر لیا ہے اور آج کل اس سے بنی ہوئی متعدد مرہمیں بازار میں آگئی ہیں۔ جن میں Dithro#Cream 0.15.....2% تک کی طاقتوں میں ملتی ہے۔ دوسری Devonex ہے جو کہ مختلف طاقتوں میں ملتی ہے اور برطانیہ میں اس کی تیس گرام کی ٹیوب آٹھ پونڈ میں ملتی ہے۔

ان ادویہ سے مقامی طور پر جلن ہو سکتی ہے۔ انگلیوں پر داغ لگ جاتے ہیں اور جن کے جسم میں کلیسم کے انہضام سے متعلق مسائل چل رہے ہوں ان کے لئے مضر ہیں۔ ان کو چہرے پر لگانا منع ہوتا ہے۔

قیاس کیا جا رہا ہے کہ چنبل کے مریض کو وقتی آرام کے لئے یہ موجودہ حالات میں سب سے عمدہ ہیں۔

مختلف ماہرین نے چنبل کے علاج کے باقاعدہ پروگرام سرتب کئے ہیں۔ جن میں سے چند ایک زیادہ مشہور اور مفید ہیں جیسے کہ

Goeckerman's Regime

مریض کو تارکول کے صابن سے اچھی طرح غسل دینے کے بعد اس کو تارکول کے مرکب مرھم (2-3% کے درمیان کسی تناسب سے) لگائی جائے۔ اس کے بعد مریض کو تھوڑی دیر الٹروائیلٹ کی شعائیں لگائی جائیں۔ یہ علاج روزانہ 3-6 ہفتوں تک کیا جائے۔

Ingram's Regime

مریض کو تارکول کے صابن یا شیمپو سے غسل دینے کے بعد اسے الٹروائیلٹ شعائیں لگائی جائیں۔ اس کے بعد اس کے داغوں پر 2% Dithranol مرھم زنک کی مرھم میں ملا کر لگائی جائے۔

سرکی چنبل

سرکو تارکول کے صابن یا شیمپو سے روزانہ دھویا جائے اس کے بعد Oill of Cade-Resorcin اور سیلی سلک ایسڈ کو کسی مرھم کی شکل میں روزانہ لگایا جائے۔

کھانے والی ادویہ

حال ہی میں اس غرض کے لئے متعدد دوائیں میسر آتی ہیں۔ جن میں Psoralen اور Methotrexate زیادہ مشہور ہیں۔ اول الذکر ماں کے پیٹ میں بچہ ہو تو اس کے اعضاء کو متاثر کر سکتی ہے جبکہ دوسری کے بارے میں یہ ثابت ہو گیا ہے کہ وہ جگر کو خراب کرتی ہے اور کینسر پیدا کرنے کا باعث ہو سکتی ہے۔

اب ماہرین اس امر پر متفق ہیں کہ کسی بھی مریض کو کھانے والی کوئی بھی دوائی اس وقت تک نہ دی جائے جب تک یہ طے نہ ہو جائے کہ لگانے والی دوائیں اس کے لئے بیکار ثابت ہو چکی ہیں بلکہ حال ہی میں ایک دوائی صرف Methotrexate کے اثر کو زائل کرنے کے لئے بازار میں آگئی ہے۔

ان دنوں ایک مرکب کورس کا پروگرام Photoc Hemotherapy کے نام سے یورپ میں بڑا مقبول ہے۔

مریض Psoralen کی ایک مقدار کھانے کے دو گھنٹے بعد لباس اتار کر الٹراوائیلٹ شعاؤں کو اپنے پورے جسم پر لگاتا ہے۔ اسے Psoralen+Ultraviolet=Puva کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے۔

ان مریضوں میں فوری طور پر متلی اور خارش کے علاوہ بعد میں جلد کے کینسر کا امکان زیادہ ہے۔ Psoralen آنکھ کی جھلیوں میں جاکر جم سکتی ہے۔ اس لئے مریض کے لئے ضروری ہے کہ وہ علاج کے دوران کالا چشمہ پہنے رہے۔

طب نبویؐ

چنبل کی بیماری کے اسباب اور اصول علاج میں ہم نے یہ افسوسناک حقیقت دیکھی کہ نہ تو اس کا سبب معلوم ہے اور نہ ہی اس کا کوئی قابل اعتماد علاج میسر ہے۔ تارکول جیسی بدنما اور بدبودار چیز کو جسم پر ملنا اس سے نہانا کم از کم ہمارے ممالک کے کسی نفاست پسند شخص کے لئے ممکن نہ ہو گا۔

یہ اب ایک یقینی بات ہے کہ تارکول لگانے سے جلد پر کینسر ہو سکتا ہے یہی صورتحال دوسری متعدد دواؤں خاص طور پر Methotrexate سے ہو سکتی ہے۔ اب تک کی ایجاد کردہ کھانے کی تمام دوائیں ماں کے پیٹ میں بچے کو مفلوج کر سکتی ہیں۔

کیا یہ دوائیں استعمال کی جا سکتی ہیں؟

قسط شیریں کی صفات میں سے ایک اس کی جلدی بیماریوں میں چھلکے اتارنے کی صلاحیت ہے۔ یہ جسم میں پیدا ہونے والے بیکار ریشوں یعنی Fibrosis کو کم کرتی یا ان کو ختم کرتی ہے۔ اس دوائی کے اثرات اور نبی ﷺ کی جانب سے اسے سوزشوں کا علاج قرار دینے کے بعد ہماری توجہ چنبل میں اس کے استعمال کی جانب ہوئی۔

مقامی استعمال کے لئے

قسط شریں۔ 80 گرام

حب الرشاد۔ 20 گرام

سرکہ فروٹ۔ 800 گرام

ادویہ کو پیس کر سرکہ میں ملا کہ ان کو تھوڑی دیر ابالنے کے بعد پھوک کو پھینک دیا اور لوشن کو چھلکوں پہ لگایا۔ اکثر مریض بہتر ہونے لگے لیکن جوڑوں پر نصب چھلکے زیادہ متاثر نہیں ہو رہے تھے۔ ان کے لئے اس نسخہ میں بیس گرام سناء مکی شامل کی گئی۔

ہاتھوں اور پیروں کی چنبل میں جب پیپ پڑ جاتی ہے تو یہ بیماری کا بدترین مرحلہ ہوتا ہے یہ جان لیوا بھی ہو سکتا ہے چونکہ اس پیپ میں کسی قسم کے جراثیم نہیں ہوتے اس لئے جدید جراثیم کش ادویہ Antibiotics بیکار ہوتی ہیں۔ لیکن جس جراثیم کش دوائی کو نبی ﷺ نے دق اور Tonsillitis میں شفا کا مظہر قرار دیا ہے وہ بہرحال مفید ہوگی۔ اس لئے مریضوں کو 4-5 گرام قسط شیریں صبح' شام پیس کر کھانے کے بعد دی گئی۔ کھردری جلد والے مریضوں کو پینے کے لئے 1-2 بڑے چمچے زیتون کا تیل بھی دیا گیا۔

ایک عام مریض کو یہ علاج 3-6 ماہ تک دیا گیا ہے۔ اکثر مریض 3-4 ماہ میں شفایاب ہو گئے۔ پرانی اور شدید بیماری میں عرصہ علاج بڑھا دیا گیا۔ اگرچہ اس سلسلے میں بارگاہ نبویؐ سے درس کا تذکرہ بھی میسر ہے۔ جس کے فوائد بھی اس طرح کے ہیں۔ بلکہ تجربات سے بعض حالتوں میں یہ درس سے زیادہ مفید رہتی ہے۔ لیکن مسئلہ اس کے حصول کا ہے کیونکہ یہ یمن اور سعودی عرب کے علاوہ کہیں اور سے نہیں ملتی۔

مریضوں کو کھانے اور لگانے کے لئے قسط شیریں دی گئی۔ جس میں اہم ترین بات یہ ہے کہ اس کو ایک لمبا عرصہ استعمال کرنے سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ یہ محفوظ اور فطری دوائی ہے۔

سفیران رسالت

مراسلہ۔ محمد اقبال۔ گوجرہ

سفارت کا لغوی معنی سفر اختیار کرنا ہے لیکن اصطلاحی لحاظ سے سفارت وہ عہدہ پر جلیلہ ہے جس کے ذریعہ کوئی شخص اپنے ملک کے نمائندہ کی حیثیت سے مقررہ فرائض کو نہایت خوش اسلوبی' دیانتداری دور اندیشی' ذہانت وفطانت' جذبہ حب الوطنی' ایثار اور اعلیٰ حکمت عملی سے سرانجام دیتا ہے۔

سفیر کا کام اپنے ملکی تقاضوں کو مدنظر رکھ کر تنازعات بین المملکتین کا حل ڈھونڈنا' معاملات پر غور وخوض کے بعد امن و آشتی کی راہیں تلاش کرنا بھی ہے۔ اسی لئے سفیر کی تعریف مختصر و جامع الفاظ میں یوں کی گئی ہے۔ ھو رسول المصلح بین القوم

سفارت کا عہدہ ایام قدیمہ سے چلا آرہا ہے یعنی جب سے تہذیب وثقافت اور ریاستی امور وقوانین وضع کئے گئے ہیں اس عہدہ کا پھریرا قصر سیاست پر پوری آب وتاب سے لہرا رہا ہے۔ یونانی' رومی' ایرانی اور چینی سیاسیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں عہدہ سفارت موجود تھا۔ زمانہ جاہلیت میں جب عرب معاشرتی لحاظ سے مختلف گروہوں جماعتوں اور قبیلوں میں منقسم رہے اور ان میں صدیوں پرانی رقابتیں اور دشمنیاں چلی آرہی تھیں' تب بھی وہ اصلاح احوال اور حل تنازعات کیلئے سفارت پر یقین رکھتے تھے اور اپنے قبیلے سے سفارت کے لئے اس شخص کا انتخاب کرتے جو طاقت لسان' فصاحت وبلاغت' ہمت وجرات' تہور وشجاعت اور معاملہ فہمی میں یکتائے روزگار ہوتا۔ اسلام کی آمد سے پہلے سفارت کے فرائض حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ کے سپرد تھے۔

ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ السلام نے لوگوں کو دعوت دین ہدیٰ دی تو ابنائے وطن نے معاندانہ روش اختیار کی اور اس قدر موذیانہ ومعذبانہ حربے استعمال کئے کہ بعض جاں نثاران سید عالم نے جان شیریں تک قربان کردی۔ آخر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپؐ مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ زاد اللہ شرفہا تشریف لے گئے تو امن و آشتی اور اطمینان وعافیت کا دور شروع ہوا۔ چنانچہ آپؐ نے سلاطین عالم اور روسائے عرب کو دعوت دین مبین دینے کا ارادہ فرمایا۔ صحابہؓ کو جمع کرکے ایک مختصر خطبہ میں فرمایا!

اے لوگو! خدا نے مجھ کو دنیا کے لئے رحمت اور رسول بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو۔ اس کے بعد آپؐ نے قیصر روم' عزیز مصر اور روسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے خطوط ارسال کئے۔ مندرجہ ذیل سطور میں ان نفوس قدسیہ کا بالاختصار ذکر جمیل ہے جنہوں نے حضورؐ کے سفیر کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔

حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ

آپ عرب کے مشہور قبیلہ بنی ضمرہ بن عبد مناف کنانی کے چشم وچراغ تھے۔ یہ قبیلہ اپنی بہادری اور شجاعت میں پورے عرب میں بے مثال تھا۔ ان کی رگوں میں خاندانی شجاعت تہور اور بہادری کا خون رواں دواں تھا۔ اور تمام جنگی آلات کے استعمال سے واقف تھے جرات اور تجربہ حرب رکھنے والوں میں سے تھے۔ سب سے پہلے اسلام کے مقابلے میں بدر و احد میں مشرکین کی معیت میں آئے۔ انہیں شکست ہوئی تو آپ نے اسلام قبول کر لیا۔ سب سے پہلا جہاد بیر معونہ کے مقام پر کیا۔ آپ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ ان کو حضور سرور عالمؐ نے (روایت مدارج النبوت) تین اشخاص کے پاس بطور سفیر بھیجا۔ یہ سب سے پہلے شاہ حبشہ' صحم بن ابجزا للقب بہ نجاشی کے پاس گئے جس نے حضورؐ کے نامہ مبارک کا نہایت ادب احترام کیا۔ اسے آنکھوں سے لگایا اور خوشبو وعطریات میں بسا کر عاج کی ڈبیا میں بطور تبرک و تیمن رکھ لیا۔ پھر ازلی وابدی دولت وثروت سے مالامال ہوا۔ یعنی اسلام قبول کرلیا دوسری بار حضورؐ نے شاہ حبشہ کو حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح کے بارے میں خط لکھا۔ شاہ حبشہ اپنی طبع سلیم اور حقیقت پسندی کے باعث مقبول بارگاہ رسالتمابؐ ہوا۔ جب فوت ہوا تو حضورؐ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ یمامہ کے متنبی مسیلمہ کذاب کے پاس بھی حضورؐ کا مکتوب گرامی لیکر گئے لیکن وہ اسلام نہ لایا بلکہ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت کے دوران اسلام سے برسرپیکار ہوا۔ حضرت خالد بن ولید سے جنگ آزما ہوا اور حضرت حبشی کے ہاتھوں قتل ہوا۔

حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ حضور پاک صاحب لولاکؐ کا تیسرا نامہ مبارک فردہ بن عمرو خزاعی کی طرف لیکر گئے۔ یہ علاقہ شام میں قیصر روم کی طرف سے گورنر تھے۔ انہیں اللہ نے دین اسلام قبول کرنے کی سعادت بخشی اور حضورؐ کی خدمت اقدس میں مع چند تحائف کے مسعود بن سعود کے ہاتھوں ایک خط بھیجا۔ حضورؐ نے ان کے تحائف قبول فرمائے اور قاصد کو اپنی طرف سے بھی تحفہ دیا۔

فردہ بن عمرو خزاعی مسلمان ہوئے تو قیصر روم نے انہیں دربار میں طلب کیا اور اسلام ترک کر دینے کا حکم دیا۔ فردہؓ نے انکار کیا۔ قیصر نے انہیں قید وبند میں ڈال دیا اور پھر شہید کر دیا خدا کے اس

پیارے بندے نے دولت، حکومت، عزت اور جان قربان کردی لیکن اسلام ترک نہ کیا۔

حضرت وحیہ ابن خلیفہ الکلبیؓ

حضرت وحیہ کلبیؓ حضورؐ کے دوسرے سفیر تھے۔ آپ کلب بن ابرہ کے قبیلہ سے منسوب ہیں آپ اپنے خداداد حسن وجمال کے لئے بھی مشہور ہیں۔ ان پر ایک نظر ڈالنے کے لئے مرد وزن محو انتظار رہتے۔ آپ پہلے صحابی ہیں جن کی شکل میں جبریل علیہ السلام متشکل ہو کر آئے۔ آپ نے بدر کے سوا تمام غزوات میں حصہ لیا۔ سب سے پہلے احد میں جہاد کیا۔ بیعت رضوان میں حاضر تھے۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ تک زندہ رہے۔

ان کو حضورؐ نے قیصر روم ہرقل کے دربار میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا۔ انہیں خط دیکر روانہ کرنے سے پہلے حضورؐ نے استفسار فرمایا "میرے اس خط کو قیصر کے پاس کون لے کر جائے گا۔ اس کے لئے جنت کی بشارت ہے۔ صحابہؓ میں سے ایک صحابیؓ نے عرض کی حضورؐ اگر وہ آپ کے اس خط کو قبول نہ کرے تو۔ آپؐ نے فرمایا "گو وہ قبول نہ کرے خط لے جانے والے کے لئے بشارت ہے۔

حضرت وحیہ کلبیؓ حضورؐ کا خط لے کر اس وقت روم پہنچے جب ہرقل بیت المقدس جا رہا تھا۔ آپؓ نے حضورؐ کا نامہ مبارک بادشاہ کی میز پر رکھ دیا اور چپکے سے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ ہرقل نے خط دیکھا تو آپ کو بلایا اور امان بخشتے ہوئے کہا میں بیت المقدس جا رہا ہوں۔ وہاں سے واپس جاؤں تو میرے پاس آجانا۔ واپسی پر ہرقل نے حضرت وحیہ کلبیؓ کو تخلیہ میں بلایا اور منادی سے اعلان کرا دیا کہ قیصر نے رسول عربیؐ کی اتباع کرلی ہے اور نصرانیت ترک کردی ہے۔ ہرقل کے اس شہرہ کا اعلان ہوا تو اس کی مسلح افواج نے اس کے محل کو گھیر لیا۔ قیصر روم نے حضرت وحیہ کلبیؓ کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ پھر فوج سے مخاطب ہو کر کہا میں تمہارے جوش مذہبی کو آزمانا چاہتا تھا۔ بعد ازاں حضورؐ کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا جس میں اپنا مسلمان ہونا تسلیم کیا کچھ اشرفیاں بھی بھیجیں۔ حضور پاکؐ نے خط سن کر فرمایا کہ وہ اللہ کا دشمن جھوٹا ہے۔ ابھی نصرانیت پر ہی قائم ہے۔

حضرت وحیہ کلبیؓ روم پہنچے تو ابوسفیان بھی وہیں تھے۔ ہرقل نے حضور پاکؐ صاحب لولاک کی ذات اقدس کے بارے میں کچھ سوالات پوچھے۔ ابوسفیان نے اس کے سوالات کے جوابات دیئے۔ جنہیں سن کر کہا کہ تم نے جو کچھ کہا ہے وہ بلاشبہ حق وصداقت پر مبنی ہے۔ محمدؐ لاریب نبیؐ ہیں۔ ان کی حکومت اس سرزمین تک پھیلے گی۔ اگر ہم وہاں ہوتے تو ان کے پاؤں دھوتے۔ ہم لوگوں کو ایک رسول کا انتظار تھا مگر یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم لوگوں میں سے ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمیؓ

آپ حضورؐ کے تیسرے سفیر روشن ضمیر ہیں۔ آپ کا نسبی تعلق قریش کی ایک شاخ سہم بن عمرو سے ہے۔ ان کی کنیت ابوحذافہ ہے۔ آپ قدیم الاسلام مہاجرین اور السابقون الاولون میں سے ہیں۔ آپ نے اپنے بھائی قیس بن حذافہ کے ساتھ ہجرت ثانیہ کی۔ آپ نہایت پر مزاح اور ظریف الطبع تھے۔ آپ نے اسلام کے لئے دشمنان اسلام کی ہر اذیت خندہ پیشانی سے برداشت کی۔ رومیوں نے انہیں گرفتار کرلیا اور نصرانی ہو جانے کو کہا۔ مگر آپ نے انکار کردیا اس پر شاہ روم نے حکم دیا کہ انہیں سولی پر لٹکا کر تیر اندازی کی باڑھ لگائی جائے۔ ایسا کیا گیا لیکن وہ زخمی تک نہ ہوئے۔ انہیں سولی سے اتارا گیا اور حکم دیا گیا کہ انہیں کھولتے ہوئے پانی کی دیگ میں ڈالا جائے تاکہ ان کی ہڈیاں تک سوختہ ہو جائیں۔ مگر آپ اس آزمائش میں صحیح وسالم رہے۔ پھر جب ان کو قیصر کے سامنے پیش کیا گیا تو قیصر رونے لگا اور کہا کہ ان کو چھوڑ دو بعد ازاں آپ کا حال پوچھا اور کوئی آرزو پوچھی۔ آپؓ نے فرمایا میری آرزو یہی ہے کہ میرے جو ساتھی قید وبند میں ہیں ان کو بھی راہ حق میں ایسی ہی سختی وعذاب پہنچے تاکہ ان کی اسلام دوستی اور دین مبین سے محبت اور مستحکم ہو۔ اس پر قیصر نے تعجب کا اظہار کیا اور آپؓ اور آپ کے ساتھیوں کو رہا کردیا۔ آپؓ سیدنا فاروق اعظمؓ کے عہد تک زندہ رہے۔

حضرت عبداللہ بن حذیفہ سہمیؓ کو نبیؐ نے سفارتی فرائض سرانجام دینے کے لئے خسرو پرویز بن ہرمزبن نوشیرواں کے پاس بھیجا۔ آپؓ نے حضورؐ کا نامہ مبارک عظیم بحرین کے توسل سے کسریٰ کو دیا۔ کسریٰ نصف مشرقی دنیا کا بادشاہ تھا اور زرتشی مذہب کا پیرو تھا۔ حضورؐ کا نامہ مبارک دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔

نامہ مبارک کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے کہنے لگا۔ میری رعایا کا (معاذ اللہ) ادنیٰ شخص مجھے خط لکھتا ہے اور اپنا نام میرے نام سے پہلے تحریر کرتا ہے۔ بعد ازاں خسرو پرویز نے اپنے ایک گورنر باذان کو حضورؐ کو گرفتار کرکے دربار میں بھیجنے کے لئے لکھا۔

باذان اپنے ایک افسر خرخسرو کی معیت میں مدینہ منورہ پہنچا۔ حضورؐ کے اخلاق کریمانہ کا گہری نظر سے مطالعہ ومشاہدہ کیا اور مسلمان ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمیؓ نے واپس آکر حضورؐ کی خدمت اقدس میں صورت حال بیان کی تو حضورؐ نے فرمایا! مزق ملکه "اس نے میرے خط کو کیا چاک کیا اپنے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے" چنانچہ چند دن کے بعد خسرو پرویز قتل ہو گیا اور ملک انتشار کی نذر ہو گیا۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ

آپؓ مشہور صحابی ہیں۔ آپؓ کی کنیت ابوعبداللہ اور ابو محمدؐ ہے۔ حضرت زبیر بن عوام کے حلیف تھے۔ بدر، احد، خندق اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ 30ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی خلافت میں 65 برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ایک زبردست شاعر اور شہسوار تھے۔

آپؓ کو نبیؐ نے جریج بن متی الملقب بہ مقوقس شاہ سکندریہ کے ہاں بطور سفیر بھیجا۔ مقوقس

عیسائی المذہب تھا۔ حضرت حاطبؓ نے حضورؐ کا جو نامہ مبارک شاہ مقوقس کو پیش کیا۔ اس میں واشگاف الفاظ میں مرقوم تھا کہ اگر تم نے اسلام سے انکار کیا۔ تمام عصر (اہل قبط) کے مسلمان نہ ہونے کا گناہ تمہاری گردن پر ہو گا۔

حضرت حاطب نے خود بھی شاہ مقوقس سے بدیں الفاظ خطاب کیا۔

صاحب! آپ سے پہلے اس سرزمین میں ایک ایسا سرکش و متمرد انسان ہوا ہے جو انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ بلند کیا کرتا تھا۔ لیکن خدا نے اسے دنیا و آخرت میں خاسرو خائب اور معزول لیا۔ جب خداوند قہار کا غضب نازل ہوا تو اس کا ملک وملک تباہ ہو گئے۔ اس لئے لازم ہے کہ تم بھی عبرت پکڑو۔ یہ نہ ہو کہ آنے والی نسلیں تم سے عبرت لیا کریں۔

بادشاہ نے کہا میں اپنے مذہب سے بہتر مذہب اگر کوئی ہو تو اختیار کرنے کے لئے تیار ہوں۔ حضرت حاطبؓ بولے میں آپ کو دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ جو دیگر مذاہب سے کفایت کنندہ ہے۔ حضورؐ نے سب ہی کو دعوت اسلام دی ہے۔ قریش نے مخالفت کی ہے یہود نے عداوت لیکن سب میں سے محبت مودت میں قریب تر نصاریٰ ہیں۔ بخدا جس طرح موسیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بشارت دی ہے اسی طرح جناب عیسیٰ علیہ السلام نے سید عالم محمد رسولؐ کے لئے بشارت دی ہے' قرآن کریم کی دعوت ہم آپ کو اسی طرح دیتے ہیں جس طرح آپ اہل توارۃ کو انجیل کی دعوت دیتے ہیں۔

آپ نے جس نبی کا زمانہ پایا ہے اسی کی امت بن کر رہیئے۔

مقوقس نے کہا۔ میں نے تمہارے نبیؐ کے بارے میں غور کیا ہے۔ ابھی مجھے کوئی رغبت نہیں ہوئی۔ اگرچہ وہ کسی مرغوب چیز سے نہیں روکتے میں جانتا ہوں کہ وہ ساحر ضرر رساں ہیں نہ کاہن کاذب۔ ان میں تو نبوت ہی کی علامت پائی جاتی ہے۔ بہرحال میں اس معاملہ پر مزید غور کروں گا۔

اس کے بعد شاہ مقوقس نے حضور انورؐ کے نامہ مبارک ہاتھی دانت کے ڈبے میں ادب واحترام سے رکھ کر اسے سربمہر کر دیا۔ حضورؐ کے لئے تحائف بھیجے اور خط کے جواب میں لکھا!

یہ تو مجھے معلوم ہے کہ ایک نبی کا ظہور باقی ہے۔ مگر میں سمجھتا رہا کہ وہ رسول ملک شام میں ہوں گے۔

مقوقس نے حضرت حاطبؓ کو بڑی عزت واحترام سے رخصت کیا اور حضورؐ کے لئے ایک جاریہ حضرت ماریہ قبطیہ جو حضورؐ کی ام الولد ہوئیں ایک ہزار مثقال سونا' قباطی کپڑے ایک سفید دلدل' ایک سفید گدھا' ایک غلام' ایک گھوڑا بنام لزاز' ایک شیشہ کا پیالہ اور شہد بطور تحفہ بھیجا۔

حضرت حاطبؓ نے شاہ مقوقس سے اپنی بات چیت کا خلاصہ بیان کیا اور اس کا آخری فقرہ سنا تو حضورؐ نے فرمایا! "ملک کی وجہ سے بھول گیا۔ حالانکہ اس کے ملک کو بقا نہیں ہے"۔

حضرت شجاعؓ بن وہب الاسدی

یہ حضور نبیؐ مکرم کے پانچویں سفیر باتدبیر ہیں۔ ان کو ابووہب الاسدی حلیف بنی عبد شمس کہا جاتا ہے۔ ان کی کنیت ابووہب ہے۔ آپ مہاجرین میں السا بقون الاولون میں سے ہیں۔ وہ بدر میں حاضر تھے۔ پھر تمام غزوات میں حصہ لیا آپ نے جنگ یمامہ میں تقریباً" چالیس سال کی عمر میں شہادت پائی۔

آپ کو نبیؐ نے منذر بن حارث بن ابی شمر الغسانی رئیس بلقاء' حاکم دمشق اور گورنر شام کے ہاں بطور سفیر بھیجا یہ پہلے تو خط پڑھ کر بہت بگڑا اور کہا میں خود مدینے پر حملہ کروں گا۔ بالاخر سفیر کو بعزت واحترام رخصت کیا لیکن دولت ایمان سے متمول نہ ہو سکا۔

حضرت سلیط بن عمروؓ

حضور رسالت مابؐ کے چھٹے سفیر حضرت سلیط بن عمرو العامری ہیں۔ آپ اپنے والد کے ساتھ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے بعض لوگوں نے ان کی شہادت کا انکار کیا ہے لیکن صاحب استیعاب نے ان کی شہادت کی تصدیق کی ہے۔ حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ نے ان کے جذبہ ہجرت سے متاثر ہو کر انہیں قیمتی حلہ پہنایا۔

ان کو حضورؐ نے یہودہ بن علی الحنفی حاکم یمامہ کے پاس بحیثیت سفیر بھیجا۔ اس نے ان کی بہت عزت وتوقیر کی اور ہجر کا بنا ہوا کپڑا پہنایا۔ حاکم یمامہ عیسائی المذہب تھا۔ اس نے اسلام قبول کرنے کے لئے یہ شرط عائد کر دی کہ اگر اسلام پر میری آدھی حکومت تسلیم کر لی جائے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر حضرت سلیط بن عمرو العامریؓ کو ثمامہ بن اثال حاکم بخد کے پاس بھیجا۔ ثمامہ بن اثال مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے مسیلمہ کذاب کے فتنہ میں اسلام کی نمایاں خدمات انجام دیں۔ ثمامہ بن اثال نے محبت اسلام کے اظہار میں قریش کا غلہ روک دیا تھا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ

آپؓ حضورؐ کے ساتویں سفیر ہیں۔ آپ کاتب وحی ہیں اور جلیل القدر سیاسیات عالم کے سمجھنے والے رموز سلطنت سے زبردست طور پر واقف سفارت کی ذمہ داریوں سے پوری طرح آگاہ تھے۔ آپ کو نبی پاک صاحب لولاکؐ نے عمان کے حاکم جلندر کے بیٹے جیفر وعبد کی طرف سفیر بنا کر بھیجا۔

حضرت عمرو ابن العاصؓ نے عبد و جیفر کو بتایا کہ میں رسول اللہؐ کا سفیر ہوں اور تمہارے پاس آیا ہوں۔ عبد نے کہا میں تمہیں اپنے برادر بزرگ کے پاس پہنچا دوں گا جو ملک کا حاکم ہے۔ لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ تم دعوت کس چیز کی دیتے ہو۔

عمرو ابن العاصؓ نے کہا! "خداوند قدوس کی وحدانیت اور محمد رسول اللہؐ کی عبدیت ورسالت کی دعوت دیتے ہیں۔ عبد نے کہا! عمرو تو سردار قوم کا بیٹا ہے۔ بتا تیرے باپ نے کیا کیا۔ کیونکہ ہم اسے نمونہ بنا سکتے ہیں۔

عمرو ابن العاصؓ نے جواب دیا۔ "میرا باپ مرگیا ہے وہ نبیؐ پر ایمان نہ لایا۔ کاش وہ ایمان لاتا

جاری ہے

باپ کی بیٹی

اردشیر کاؤس جی

سیاستدان بینظیر بھٹو اور کمتر درجے کے سیاستدان اور ان کے شوہر آصف علی زرداری پر کرپشن' لوٹ کھسوٹ' اختیارات کے ناجائز استعمال اور دھوکا فریب کے الزامات ثابت ہو گئے ہیں' اب وہ مجرم ہیں۔ انہیں نواز شریف کے قانون کے تحت ایک عدالت سے سزا سنائی گئی ہے

لندن میں بی بی سی سے ایک انٹرویو میں ہم نے بینظیر بھٹو کو جھوٹ بولتے ہوئے سنا۔ اور انہوں نے وہی کچھ کہا' جو ہم پہلے بھی سن چکے ہیں۔ توقع کے مطابق ان کی پارٹی کے لوگوں نے احتجاج کیا' نعرے لگائے' ریل کی پٹڑیوں پر لیٹ گئے اور پھر اپنی تصویریں بنوائیں۔ اسی ہفتے مجھے ایک ای میل ملا' جو بلاول ہاؤس سے جاری کیا گیا تھا اور پیپلز پارٹی کی ہیومن رائٹس کی کوارڈی نیٹر اور پارٹی کے شعبہ خواتین کی سیکرٹری اطلاعات فوزیہ وہاب کی طرف سے لکھا گیا تھا۔ فوزیہ کے ساتھ ایک معقول گفتگو کی جا سکتی ہے' کیونکہ جو کچھ ان سے کہا جاتا ہے' وہ کم از کم اسے سن تو لیتی ہیں۔

میں نے ان سے پوچھا کہ وہ 1971ء میں اس وقت کہاں تھیں' جب آج کا پاکستان وجود میں آیا تھا' اور وہ اس کی وجوہات کے متعلق کیا کچھ جانتی ہیں؟ ان کا جواب تھا کہ وہ اس وقت ایک طالبہ کی حیثیت سے بے فکری کی زندگی گزار رہی تھیں اور ان کی عمر اتنی زیادہ نہیں تھی کہ وہ ملکی معاملات کو سمجھ سکتیں۔ میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب کچھ اسی وقت شروع ہوا تھا' یعنی اقتدار کا زوال' سرکاری اور عوامی اخلاقیات کا خاتمہ' عدلیہ کی محکومی' اداروں کی تباہی' ایک قابل فخر فوج کا انحطاط۔ اور یہ سب کچھ صرف ایک شخص کی خواہشات کو مطمئن کرنے کے لئے ہو رہا تھا' جس نے ایک ایسی پوزیشن حاصل کر لی تھی' جہاں وہ لوگوں کو فریب دے سکتا تھا اور مطلق العنانی کی خواہش پوری کر سکتا تھا' خواہ ملک کو اس کی کتنی ہی قیمت ادا کرنی پڑے اور خواہ اس کے نتائج کیسے ہی خطرناک برآمد ہوں۔ جب یہ ترجیحات سامنے آئیں کہ وہ پورے پاکستان کا اپوزیشن لیڈر بننا پسند کریں گے' یا آدھے ملک کا سربراہ بنا' تو بینظیر کے والد ذوالفقار علی بھٹو نے موخرالذکر ترجیح کو پسند کیا اور سازش کر کے ملک کا آدھا حصہ گنوا دیا۔

"جمہوریت پسند" بھٹو بچے کھچے پاکستان کے صدر اور تاریخ میں پہلے سویلین مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے طور پر آگے آئے۔ میں نے انہیں بتایا کہ بعد میں ایک کٹھ پتلی صدر مقرر کرنے کے بعد وہ خود وزیراعظم بن گئے اور 1973ء میں ایک ایسے آئین کا نفاذ کیا جس میں بنیادی اور انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی۔ انہوں نے اپنے آئین کے نفاذ کے چار گھنٹے بعد ہی اسے بڑی خوبصورتی سے معطل کر دیا اور اپنے تمام سیاسی مخالفین کو جیل بھیجنا شروع کر دیا۔ کیا اس کے متعلق پہلے سے نہیں سوچا گیا تھا؟ کیا ان کی نیت پہلے سے ہی خراب نہیں تھی؟ کیا انہوں نے کھلم کھلا لوگوں کی زندگیوں اور آزادی کو نہیں لوٹا؟ انسانی حقوق کی دعویدار ہوتے ہوئے آپ اس کے متعلق کیا کہیں گی؟ انہوں نے بھلا کیا جواب دینا تھا۔

عدلیہ کی تباہی پہلے ہی سے ان کے ذہن میں تھی' کیونکہ یہی ادارہ ان کے ارادوں کی تکمیل میں رکاوٹ بن سکتا تھا۔ وہ ججوں کی توہین کرتے تھے۔ 1973ء میں وہ اور جام صادق علی اس حد تک آگے چلے گئے کہ انہوں نے سانگھڑ کے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج اویس مرتضیٰ کو گرفتار کرا دیا' جو ان کی مرضی کے مطابق کام نہیں کرتا تھا۔ سندھ کے چیف جسٹس طفیل علی عبدالرحمن سچے اور مضبوط آدمی تھے' انہوں نے احتجاج کیا اور بھٹو سے ملنا چاہا' مگر بھٹو نے ملنے سے انکار کر دیا۔ جسٹس طفیل اپنی بات پر اڑے رہے۔ بھٹو تنگ آ گئے تو اپنے "ٹیلنٹڈ کزن سندھ کے وزیراعلیٰ ممتاز بھٹو کو لکھا "خدا کے واسطے' اس بوڑھی "عورت" سے ملاقات کرو اور اسے خوش رکھو' ورنہ اس سے نمٹ لو" پیغام واضح تھا کہ طفیل کو جھکنا چاہئے ورنہ.....

ممتاز بھٹو جسٹس طفیل کو نہ تو خوش رکھ سکے' نہ جھکا سکے۔ انہوں نے بھٹو کو بتایا کہ چیف جسٹس کے ساتھ ملاقات کوئی ایسی چیز نہیں' جس کے لئے میں پہل کروں۔ یہ چیف جسٹس بہت سخت ہے۔ آخر کار اویس کو رہا کرنا ہی پڑا۔ اس ملک میں ایک چیف جسٹس کس طرح ایک وزیراعظم کے سامنے ڈٹ سکتا ہے' یا اسے جھکا سکتا ہے؟

1973ء اور 1997ء کے درمیان بھٹو نے اپنے ہی آئین میں سات ترامیم کیں' جن میں سے ایک اہم ترمیم عدلیہ کی محکومی تھی۔ وہ قانون کو اچھی طرح سمجھتے تھے اسی لئے ذوالفقار علی بھٹو' اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار' وزیر قانون حفیظ پیرزادہ' یلسٹڈ کزن ممتاز بھٹو رفیع رضا اور حتیٰ کہ کمال الدین اظفر کو بھی عدلیہ کے قانون میں دخل اندازی کرنے یا اس عمل کو خاموشی سے دیکھتے رہنے کی وجہ سے معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ سب کچھ جمہوریت کے نام پر کیا گیا تھا۔ انہوں نے جو نقصان پہنچایا تھا اس کی تلافی ابھی تک نہیں ہو سکی۔

بھٹو کے بعد ضیاء الحق آئے' تو انہوں نے مذہب کے نام پر جو بھی غلط کام ہو سکتے تھے وہ کیے۔ اس کام میں اللہ بخش قادر بخش بروہی اور جدہ کے جادوگر شریف الدین پیرزادہ نے ان کی پوری معاونت

کی۔ عدلیہ کے زوال میں ان کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا بھٹو کا تھا۔

جب جنرل ضیاء بلندیوں سے گرے' تو بینظیر بھٹو آگئیں۔ اگر وہ چاہتیں تو معاملات ٹھیک ہو سکتے تھے۔ ان سے ہم نے یہ امید وابستہ کر رکھی تھی۔ میں نے مارچ 1989ء میں لکھا تھا ".....اگر وقت ملا' تو ہمارے لئے بہت اچھی ثابت ہو سکتی ہیں"۔ اگر وہ اس وقت احتساب کی کارروائی شروع کر دیتیں اور پنجاب کے وزیراعلیٰ سمیت ان لوگوں پر ہاتھ ڈال لیتیں' جنہوں نے جنرل ضیاء الحق کے دور میں عیاشیاں کی تھیں تو وہ ان پریشانیوں سے بچی رہتی' جن سے وہ آج دوچار ہیں' لیکن نہیں وہ تو اپنے ہی منتخب کردہ راستے پر بھاگتی رہیں' قومی خزانے کو لوٹتی رہیں اور آخر منہ کے بل گر گئیں۔

ان کے بعد نواز شریف صاحب آئے اور انہوں نے اپنا سفر اس مقام سے شروع کیا' جہاں وہ بطور وزیراعلیٰ پنجاب پہنچے تھے۔ انہوں نے اپنے ایجنڈے پر عملدرآمد کیا۔ وہ بھی شکار کے پیچھے تیزی سے بھاگ رہے تھے۔ کچھ رقم لوٹ کھسوٹ اور قرضوں کی صورت میں باقی بچی ہوئی تھی۔ وہ برداشت نہ کر سکے کہ وہ بینظیر صاحبہ سے پیچھے رہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان اور ان کے ساتھیوں نے خوب دولت جمع کی اور آخر کار گر گئے۔

ہم بدقسمت لوگ ہیں' چنانچہ ہمارے گناہوں کی سزا بن کر بینظیر بھٹو دوبارہ آگئیں۔ انہوں نے اپنے پہلے دور میں ملک اور خزانے کو پامال کیا تھا' دوسرے دور میں انہوں نے کسی رکاوٹ کی پروا نہ کی۔ تھوڑے سے وقت میں بہت سا کام کرنا تھا ابھی تہہ تک کی صفائی باقی تھی۔ وہ اور ان کے خاوند تعریف کے قابل ہیں' جنہوں نے سخت محنت سے تہہ تک کی صفائی کی اور آخر انہیں دوسری بار معزول کر دیا گیا۔

ان کے بعد نواز شریف صاحب دوبارہ وزیراعظم بنے۔ بہت سے لوگوں کو یقین تھا کہ نواز شریف صاحب میں شائستگی آچکی ہوگی اور انہوں نے جو غلطیاں کی ہیں ان کا احساس کرتے ہوئے وہ اس کی تلافی کریں گے' مگر وقت گزرنے کے ساتھ ثابت ہوا کہ ایسا سمجھنا ہماری غلطی تھی۔

عدلیہ ایک ایسا ادارہ ہے جس کی جمہوریت میں سب سے زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ کیا یہ بات ممکن نہیں کہ اگر زیڈ اے بھٹو عدیہ کو مضبوط اور آزاد رہنے دیتے تو شاید ملک میں کوئی ایسی عدالت بھی ہوتی' جو ان کی گردن کو بچالیتی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ بعد میں آنے والے حکمران ہی عدلیہ کو دوبارہ سنبھلنے اور آزادی برقرار رکھنے کا موقع دیتے' مفاد پرست اور منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے لوگوں کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہوتی؟ ایسی صورتحال ہوتی تو شاید نواز شریف صاحب بھی قانون سازی میں زیادتیاں نہ کر سکتے۔

نواز شریف کا خیال ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ناقابل تسخیر بنالیا ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ عوام کے حالات برے ہوں تو کوئی حکومت زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتی

اپنے خط میں فوزیہ نے محترمہ بینظیر بھٹو کا حوالہ "دوبارہ وزیراعظم اور پہلی مسلمان خاتون وزیراعظم" کے طور پر دیا ہے۔ اگر وہ کچھ زیادہ صاف گو ہوتیں تو یہ بھی لکھ دیتیں کہ بینظیر بھٹو کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ پہلی مسلمان خاتون وزیراعظم ہیں جنہیں کرپشن کے الزمات میں دوبارہ معزول کیا گیا۔

مہذب دنیا کے کسی بھی ملک میں کسی بھی معقول قانون کے تحت بینظیر بھٹو اور ان کا خاوند ہمارے ملک کے عوام کی سنگین جرائم میں ملوث مجرم ہیں۔ ان کی پارٹی نے احتساب ایکٹ 1997ء کے تحت نواز شریف صاحب کے خلاف 31 ریفرنس دائر کئے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

پی آئی اے میں غیر قانونی تقرر' ایبٹ آباد لینڈ سیکنڈل' قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بی ایم ڈبلیو کاروں کی درآمد' قانونی تقاضے پورے کئے بغیر قرضوں کا حصول امریکہ میں جائیداد کا اخفاء ایف آئی اے میں غیر قانونی تقرر' امریکی گندم کی خریداری کا سیکنڈل' مری لینڈ سیکنڈل' ایف آئی اے میں بے ضابطہ ترقیاں' انکم ٹیکس میں ہیر پھیر' دولت کی لوٹ کھسوٹ' اثاثوں کے گوشواروں میں ہیلی کاپٹر ظاہر نہ کرنا' کوہ نور انرجی لمیٹڈ سے ترجیحی سلوک' جس سے قومی خزانے کو 45 کروڑ روپے کا نقصان ہوا' برادرز شوگر ملز کو غیر قانونی مالی فوائد پہنچانا' اے این پی کے سینیٹر قاضی محمد انور کو رشوت کی پیشکش' سی بی آر کے چیئرمین کا غیر قانونی تقرر' قانون میں ترمیم کرکے کالے دھن کو سفید بنانا' قرضوں کی معافی یا ری شیڈولنگ سے 35 ارب روپے کا نقصان پہنچانا' درآمدی ڈیوٹی میں نرمی کرنا اور لگژری کاروں کی درآمد کے قانون میں ترمیم کرنا' مولانا عبدالستار نیازی کو رشوت دینے کے لئے قومی خزانے میں سے فنڈز کا استعمال' جہیز اور بیت المال کے دو سو ملین روپے کی لوٹ کھسوٹ' جھوٹے اکاؤنٹس کھولنا' وفاقی محکموں میں ایک سو تیس سیاسی تقرر' برآمدی ڈیوٹی میں چھوٹ اور بھارت کو چینی برآمد کرنے پر ری بیٹ' ایف ای بی سی کے ذریعے کالی دولت کو سفید کرنا' ویلتھ ٹیکس سے گریز' پراپرٹی ٹیکس سے بچنے کے لئے حقائق پوشیدہ رکھنا سینیٹر اسلام الدین شیخ کے خلاف کیس واپس لینا۔ مگر یہ سب کچھ بینظیر بھٹو کو قابل معافی نہیں ٹھہراتا۔

نواز شریف صاحب کا خیال ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ناقابل تسخیر بنالیا ہے انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ عوام کے حالات برے ہوں' تو کوئی حکومت بھی زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتی۔ شاید وہ نہیں جانتے کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے' اور جب اس کی زد پڑتی ہے تو اسے چاپلوس اور منظور نظر لوگ اور آئینی ترامیم بھی نہیں روک سکتیں۔

بشکریہ "ڈان" ترجمہ۔ ریحان قیوم

انسان کی تخلیق کا مقصد

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم○ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم○ افحسبتم انما خلقنکم عبثا" وانکم الینا لاترجعون○ فتعلی اللّٰہ الملک الحق لااله الاھو رب العرش الکریم

اللہ جل شانہ سے دوری کا سبب دنیا اور امور دنیا میں عقلی طور پر بھی اور قلبی طور پر بھی مصروف ہونا ہے دوسری کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو بندے کو اس کی زندگی کے مقصد سے ہٹا سکے۔ دنیا میں اس قدر رنگینی بھی ہے' دلکشی بھی ہے اور بندہ ضرورت مند بھی ہے۔ اس کے بغیر رہ بھی نہیں سکتا۔ لیکن ایک بات جس پر قرآن حکیم بار بار زور دیتا ہے یہ ہے کہ دنیا میں ہمہ تن مشغول وہی بندہ ہوتا ہے جو آخرت سے غافل ہے یا کم از کم اسے آخرت کا یقین کامل نہیں ہے۔ اگر آخرت کا یقین کامل ہو' عذاب وثواب نگاہ میں ہو اعمال کے نتائج پر نظر ہو تو پھر دولت دنیا یا دنیوی اقتدار' یہ ساری چیزیں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ سورۃ مومنون کی یہ آیات جہاں چھٹا رکوع ختم ہو رہا ہے اٹھارہویں پارے کا' یہ اس حال سے باخبر کرتی ہیں جس کے بارے حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا کہ تم عہدے ان لوگوں کو دو جو انہیں قبول کرنے سے چھپتے پھرتے ہوں اور جو عہدوں کے طالب ہوں انہیں نہ دیئے جائیں یعنی جس میں دنیا کی طلب ہو اسے ذمہ داری نہ دی جائے اور اسے دی جائے جو دنیاوی عہدوں سے جان بچائے۔ وہ کیوں جان بچاتا ہے ان سے؟ اس لئے کہ اسے عہدوں میں' حکومت میں لذت نہیں ملتی بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اپنی ہی ذمہ داری کافی تھی بجائے اس کے کہ دوسرے بے شمار لوگوں کی ذمہ داری بھی میرے سر آجائے اور اس کی نظر میں تخت پر بیٹھ کر سلامیاں لینا یا ہاتھ پاؤں کو بوسے دلوانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اسے فکر اس بات کی ہوتی ہے کہ حتی المقدور میں نے دوسروں تک انصاف پہنچانے کی کوشش کی یا نہیں۔ جس طرح سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا تھا کہ دجلہ کے کنارے ..... اب کہاں دجلہ اور کہاں مدینہ منورہ انہوں نے فرمایا دجلہ کے کنارے اگر کوئی کتا بھوکا مر گیا تو سوال تو خطاب کے بیٹے سے ہوگا تو یہ جو یقین ہے آخرت کا' یہ دنیا کی لذتوں کو کافور کر دیتا ہے۔ بنی آدم میں سے کسی پر بھی خواہ گناہ گار ہو یا غیر مسلم' جب نزع کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور موت سامنے نظر آتی ہے اس وقت آپ اس سے بات کر کے دیکھیں' اسے کروڑوں روپے دیکر دیکھیں' اسے منوں سونا دے کر دیکھیں' اسے کہیں تمہیں بادشاہ بناتے ہیں' اسے آپ کی کوئی بات پسند نہیں آئے گی۔ اس لئے کہ اسے اس وقت یقین ہو چکا ہوتا ہے کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ تو دنیا میں اس قدر مصروفیت جو اللہ سے یا اللہ کی اطاعت سے غافل کر دے اس کا سبب ہے آخرت سے غفلت۔ آخرت کی یقین دہانی کی ایک ایسی دلیل قرآن حکیم نے ارشاد فرمائی ہے جس کے بعد کسی دوسری دلیل کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ مسلمان کیلئے نبی علیہ الصلواۃ والسلام کا خبر دے دینا سب سے بڑی دلیل ہے۔ کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں اس کے باوجود دلیل عقلی بھی ارشاد فرمائی فرمایا! افحسبتم انما خلقنکم عبثا تم کیا سمجھتے ہو سورج کیوں نکلتا ہے؟ بنی آدم کی خدمت کیلئے۔ چاند کیوں چاندنی بکھیرتا ہے؟ انسانوں کی خدمت کیلئے۔ بارش کیوں برستی ہے؟ انسانوں کی خدمت کیلئے۔ پھول کیوں کھلتے ہیں؟ انسانوں کیلئے۔ جانور کیوں پھرتے ہیں؟ انسانوں کیلئے۔ کسی پر سواری کرتے ہیں۔ کسی کا گوشت کھاتے ہیں۔ کسی کا دودھ پیتے ہیں اسی طرح غلہ' پھل جو کچھ زمین میں ہے یا آسمانوں سے جو کچھ اترتا ہے اس سارے کا مقصد کیا ہے؟ انسان کی خدمت۔ انسان کی ضرورتوں کی کفالت۔ لیکن انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے جو اتنی کائنات کو اس ایک کی خدمت پہ لگا دیا گیا ہے تو فرمایا! تمہارا یہ خیال ہے کہ انسان کو بلا مقصد پیدا کیا گیا ہے۔ تم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ اللہ نے تمہیں بیکار پیدا کر دیا ہے وانکم الینا لاترجعون اور تمہیں واپس اس کی بارگاہ میں جوابدی کیلئے حاضر نہیں ہونا تو فرمایا یہ سن لو فتعلی اللّٰہ الملک الحق اللہ اکیلا وہ بادشاہ ہے جو حق پر قائم ہے جہاں کوئی بات حق کے خلاف نہیں ہوتی اور وہ ہر ناروا بات سے بالاتر ہے پاک ہے اس کی ذات اور کسی بھی چیز کو بلا مقصد بنانا تو بہت ہی ناروا بات ہے۔ تم مخلوق ہو کر کوئی کام بلاوجہ نہیں کرتے۔ بغیر مقصد کے نہیں کرتے تو وہ خالق کائنات ہے اس نے اتنی بڑی مخلوق بنا دی اور اس کا کوئی مقصد ہی نہیں۔ ایسی نہیں بات بلکہ وہ ایسا کریم ہے کہ بلا مقصد کوئی چیز نہیں بناتا تمہاری تخلیق کا بھی مقصد ہے حدیث قدسی میں وہ مقصد ارشاد ہوا "میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا" میری ذات تھی' میری شان تھی لیکن کوئی میرا جاننے والا نہیں تھا۔ پھر فرشتے تھے۔ دوسری مخلوق پیدا فرمائی۔ وہ میری مخلوق تھی لیکن ان میں آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہیں تھی حکم کے بندے تھے۔ زمین اور آسمان بنائے پھر میں نے فاحببت ان اعرف مجھے یہ بات پسند آئی کہ کوئی میرا جاننے والا بھی کوئی ایسا بھی ہو جو مجھے پہچانے۔ میری ذات کا طالب ہو میری عظمت کو جانے مجھے سمجھے یہ ساری مخلوق تو میرے حکم کو سمجھتی ہے ان کی جرات نہیں ہے کہ میری ذات کی طرف نگاہ

اٹھا کر دیکھے فخلقت الخلق تو میں نے بنی آدم کو پیدا کر دیا کہ ایک ذات ایسی بھی ہو جو میری ذات کی طالب بنے۔ میری ذات کو پہچانے۔ میری عظمت کو پہچانے اور میری محبت میں گرفتار ہو اب جو ذات اس مقصد کیلئے پیدا کی گئی ہے ساری کائنات کو اس کی خدمت پہ لگا دیا گیا چونکہ اس کا مقصد سب سے اعلیٰ تھا خلقنکم مافی الارض جمیعا جو کچھ زمینوں میں ہے' سب تمہاری خدمت کیلئے لگا دیا گیا۔ تو انسان کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ معرفت الٰہی کو حاصل کرے اور اب یہ عظیم مقصد اس کی نظروں سے تب اوجھل ہوتا ہے جب اسے یہ وہم ہونے لگے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے بس پیدا ہوئے کھایا پیا اور مرگئے۔ پتہ نہیں کچھ ہے بھی کہ نہیں یہ بات اسے اللہ سے دور کر دیتی ہے۔ گناہ میں مصروف کر دیتی ہے۔ لوٹ مار چھینا جھپٹی اقتدار زوال کتنے لوگ ہیں جنہیں اقتدار نہیں ملا۔ لیکن اقتدار کی طلب میں جانیں ہار گئے۔ کتنے لوگ ہیں جنہوں نے عمریں جیلوں میں بسر کر دیں اور جنہیں ملا انہوں نے جی بھر کے لوٹا۔ وہ سرمایہ یہاں سے اٹھا کے باہر کے ملکوں میں رکھا خود مرگئے ورثاء کو ملا نہیں یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اربوں ڈالر لوٹے ملک سے غریبوں کا' یتیموں کا' ناحق ناروا لوٹ مار کرکے' اسے چھپا کر لوگوں سے' باہر کے بنکوں میں رکھا۔ خود تڑپتے ہوئے مرگئے' ہسپتالوں میں دم توڑ دیا اور ہم نے دیکھی ہیں ان کی لاشیں جام صادق علی جیسے بندے کی لاش بھی ایدھی ایمبولینس پہ اس کے گھر گئی خدا واسطے کی گاڑی میں اور جام صاحب ہمارے وزیراعلیٰ ہوتے تھے۔ کوئٹہ کے غلام قادر لندن میں ہوٹل سے باہر نکلے فٹ پاتھ پہ گر گئے شور ہوا گر گئے گر گئے دیکھو۔ یہ دیکھو' وہ دیکھو دل میں درد ہے دورہ پڑ گیا ان کا بیٹا بھاگتا ہوا گیا اس نے ٹیکسی روکی۔ ٹیکسی والے نے کہا یہ تو پولیس کیس ہے پہلے پولیس کو بلاؤ۔ وہ پولیس والا آیا اس نے کہا اسے اٹیک ہوا ہے کسی نے مارا نہیں ہے پولیس کیس نہیں ہے اسے ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ اسے ہسپتال پہنچانا ہے۔ انہی سوالوں جوابوں میں وہ فٹ پاتھ پر پڑا ہوا دم توڑ گیا۔ کیا فائدہ ہوا ان کروڑوں ڈالرز کا۔ کروڑں پاؤنڈز کا جو ملک سے لوٹ کر انہوں نے وہاں جمع کئے تھے۔ مرنے کیلئے بستر نصیب نہیں ہوا۔ اگر یہ کیفیت ان کی نظروں میں ہوتی تو کیا اس طرح لوٹتے؟ اگر آخرت پر یقین ہوتا تو حکمران بھی رہتے انصاف بھی کرتے حق کی بات بھی کرتے کسی غریب کی مستحق کی مدد کرتے۔ ملک کی قوم کی آبادی کیلئے کام کرتے۔ وہ جو بات ایک سنی سنائی ہوگئی کہ پتہ نہیں درست ہے بھی کہ نہیں۔ میں نے اس کی رپورٹ کے لئے لکھا ہے' جو ابھی ملی نہیں کہ نیویارک میں مین ہیٹن میں وال سٹریٹ جو پورے امریکہ کا معاشی مرکز ہے۔ انہوں نے رپورٹ شائع کی ہے ان لوگوں کی جن کے اکاؤنٹ کروڑوں ڈالرز میں ہیں اس میں امریکہ کے شائد پانچ سات ہیں اور

سیاستدانوں نے ملکی دولت لوٹ کر امریکی بنکوں میں جمع کرائی تو پاکستانی روپے کی قدر کم ہوگئی

پاکستان کے سترہ آدمی ہیں۔ پورے امریکہ میں تو پانچ سات ہونگے ایسے جن کے ڈالرز کروڑوں میں ہیں اس کا مطلب ہے آپ کی کرنسی میں وہ کھربوں میں ہے اور پاکستان کے سترہ آدمی ہیں جن میں پہلے نمبر پر آصف علی زرداری ہے اور دوسرے نمبر پر وزیراعظم میاں نواز شریف صاحب ہیں۔ باقی ان کے سارے ساتھی دوست ہیں کچھ جرنیل ہیں اسلم بیگ صاحب ہیں۔ اختر عبدالرحمان ہیں جو فوت ہو گئے اس طرح کے کچھ فوجی ہیں جو اقتدار میں رہے کچھ ہمارے یہ سیاستدان ہیں چوہدری شجاعت صاحب' اعجاز الحق صاحب' گوہر ایوب صاحب اس طرح کے سترہ نام ہیں یعنی امریکہ میں اگر سات ہیں ارب پتی ڈالروں میں تو پاکستان کے سترہ اس ایک بنک میں ہیں اب یہاں چلو لوٹ لیا۔ لوٹا تو اسی ملک کا ہے۔ اگر اتنا کرتے کہ اس لوٹ کو بجائے امریکہ میں رکھنے کے پاکستانی بنکوں میں رکھتے تو یہاں روپے کی قیمت تو نہ گرتی۔ یہ جو غریبوں کا خون چوسا گیا وہ امریکہ کی رگوں میں دوڑ رہا ہے اب ان کے بنک میں ہے تو ان کے معاشی نظام میں چل رہا ہے ان کی اکانومی میں چل رہا ہے۔ اکانومی مضبوط ہو گئی ڈالر کی قیمت اوپر چلی گئی اور یہاں سے لوٹ کر باہر گئے تو روپے کی قیمت نیچے چلی گئی صرف لوٹا نہیں ساتھ مار بھی دیا ملک کو۔ لوٹ کر اگر اسی ملک کے بنکوں میں رکھتے تو ملک کی جو معاشی قوت ہے وہ تو قائم رہتی صرف سرمایہ دوسروں سے چھن جاتا ایک آدمی کا ہو جاتا لیکن ہوتا تو ملک کے اندر۔ اب انہوں نے یہاں چند کارخانے لگائے تھے اب باقی جو ہیں وہ کوریا میں اور تائیوان میں لگا رہے ہیں تو آپ کیا سمجھتے ہیں یہ جب کہتے ہیں ہم اسلام نافذ کریں گے تو کیا سچ بولتے ہیں؟ اسلام تو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ یہاں آدمی سڑک پر گر کر مرہم پٹی کے لئے ترستا ہوا مرجائے بندہ اسپرو کی گولی کیلئے مر جائے اور آپ اربوں روپے کھربوں روپے لوٹ کر اپنا خزانہ بھر کے اس پر بیٹھ جائیں اور اگر بڑی مہربانی کریں تو کسی کی فاتحہ کیلئے چلے جائیں اور آپ کے آنے جانے میں اس غریب قوم کا مزید ساٹھ ستر لاکھ روپیہ لگ جائے پروٹوکول میں اور ہیلی کاپٹروں کے آنے جانے میں اور گاڑیوں کے دوڑنے میں کہ وزیراعظم صاحب فاتحہ کیلئے جا رہے ہیں اسے صرف فاتحہ ملے اور پوری قوم کا ستر اسی لاکھ روپیہ ہوا میں برباد ہو جائے صرف شاباش شاباش کے لئے کہ بڑا نیک وزیراعظم ہے جی اس نے جس کا مکان بہہ گیا تھا اسے پانچ ہزار روپے دیئے۔ پانچ ہزار ملے اس کو جس کا مکان دریا بہا کر لے گیا اور نوے لاکھ لگ گئے اسے پانچ ہزار دینے کے لئے وزیراعظم کے آنے جانے میں۔ تو ظالمو وہیں بیٹھے رہتے تم نہ جاتے اور وہ نوے لاکھ سے پورے گاؤں کی مرمت کرا دیتے ایک مکان کی بجائے۔

یہ سارا کچھ کیوں ہوتا ہے مزے کی بات یہ ہے کہ ہمیں کہتے یہ ہیں کہ بھئی تم دین دار لوگ ہو تم اللہ اللہ کرو تم سیاست کی بات نہ کرو۔ یہ سیاست

نہیں ہے یہ تو دین کی بات ہے حقوق کی بات ہے انصاف کی بات ہے۔ باطل کو باطل نہ کہو حق کو حق نہ کہو پھر باقی دین کس جانور کا نام ہے۔ غلط کو غلط بھی نہ کہو صحیح کو صحیح بھی نہ کہو۔ مظلوم کی آہ بھی باہر نہ نکلنے دو تو پھر باقی اسلام کیا رہ جاتا ہے۔ ہم دنیا کی بات نہیں کرتے ہم تو دین ہی کی کر رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ یہ اکاؤنٹ کافروں کے پاس رہ جائیں گے جس طرح محمد خان جونیجو کے رہ گئے • کروڑوں ڈالرز جونیجو صاحب کے بھی وہاں تھے میں نے بارہا کہا ہے اور سارے اخباروں میں بھی چھپا ہے۔ کیوں نہیں دعویٰ کرتے میرے خلاف کہ اس نے غلط کہا ہے اور وہ مر گیا غریب اس کا نام وہاں بکس بی جان تھا وہ عیسائی تھا یہاں مسلمان تھا وہاں عیسائی تھا یہ عجیب تماشا ہے اب اس کے بیٹے بیٹیاں پیٹ پیٹ کر امریکہ سے مانگ رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے کہا جی بکس بی جان کا اکاؤنٹ ہے تم محمد خان کی اولاد ہو تمہیں نہیں مل سکتا بات ختم۔ کیا فائدہ ہوا اسے ملک کو لوٹنے کا۔ اپنی عاقبت برباد کی پورے ملک کی اکانومی تباہ کرکے اور یہودیوں کو سرمایہ دیکر ایک چادر میں منہ ڈھانپ کے شرمندہ شرمندہ دفن ہو گیا اور اسی امریکہ میں ایک خیراتی بیڈ پر تڑپ تڑپ کر مر گیا کاش اسے مرنے سے پہلے اس بات کا یقین ہوتا جو مرنے کے بعد اس نے قبر میں دیکھی یا ان لوٹنے والوں کو یہ یقین آجائے کہ جو موت اور موت کے بعد پیش آنیوالا ہے تو یہ لوٹ کا مال ان کے لئے مصیبت بن جائے یہ اسے واپس کریں۔ بانٹیں جان چھڑائیں اب اس کی دلیل تو یہی کافی تھی کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا اور اس کے بعد مسلمان کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ مسلمانی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے کہہ دیا اور بات ختم۔ خوش نصیب تھے وہ لوگ جنہوں نے وہ زمانہ پایا بہت خوش نصیب لوگ تھے۔ سننے اور دیکھنے میں کتنا فاصلہ ہے آج سنتے ہم انہی کی باتیں ہیں لیکن اس زمانے میں کافروں کو بھی یہ یقین تھا کہ حضور جو فرماتے ہیں وہ صحیح ہے اور وہ ہو کر رہے گا۔ مومن تو مومن کافر کو بھی یقین تھا کہ جو حضور ﷺ فرماتے ہیں وہ صحیح ہوتا ہے مانیں یا نہ مانیں سب نے گواہی یہی دی تھی جب آپ ﷺ نے صفا پہ کھڑے ہو کر پوچھا تھا کہ میرے بارے تمہاری کیا رائے ہے تو سب نے کہا تھا آپ ﷺ صادق بھی ہیں اور امین بھی۔ جو آپ ﷺ کہتے ہیں بات سچی ہے جو کام آپ ﷺ کرتے ہیں وہ عین امانت سے کرتے ہیں اس میں کوئی ہیرا پھیری نہیں ہماری مصیبت یہ ہے کہ مسلمانی کے دعوے کے باوجود ہمیں یہ یقین ہو نہیں رہا کہ جو حضور ﷺ نے فرمایا ہے ایسا ہی ہو گا اس کے بین بین ہم رہتے ہیں انکار بھی نہیں کرتے یقین بھی نہیں کرتے اس لئے ہم اللہ سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں اور گناہ کی دلدل میں پھنستے چلے جاتے ہیں تو اس کی دلیل عقلی اس آیت میں ارشاد فرمائی کہ تم یہی سوچ لو کہ اللہ کی شان کو یہ سزاوار ہے کہ کوئی مخلوق بے مقصد پیدا کرے یہ تو اس کی شان کے خلاف ہے۔ وہ بے مقصد پیدا نہیں فرماتا اور وہ واحد لاشریک ہے جو عرش کریم کا مالک ہے کوئی اس کا مقابل نہیں کوئی اس کی بات کو روکنے والا نہیں کسی سے اسے خطرہ نہیں کوئی اس کی بارگاہ میں دم نہیں مار سکتا بھلا وہ فضول کام کیوں کرے گا اسے زیب ہی نہیں دیتا لہٰذا اس یقین سے زندہ رہو کہ تمہیں ہر لمحے کا حساب دینا ہے اور اللہ کریم کے روبرو کھڑے ہو کر دینا ہے۔ یہ یقین ہو جائے تو یہ پیریاں فقیریاں بھی بے لذت ہو جاتی ہیں اس لئے کہ آپ کو اپنا اور ایک ایک بندے کا حساب دینا بڑے گا لیکن میں جو یہاں آپ کے سامنے صوفے پہ بیٹھا ہوا معتبر بنا ہوا ہوں جتنے لوگ میرے ساتھ واسطہ اختیار کریں گے جب تک سب کا حساب نہیں ہو جائے گا میرا حساب نہیں ہو سکے گا۔ مجھے وہیں کھڑا رہنا پڑے گا مجھے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ میں نے ان کی تربیت میں کوتاہی نہیں کی۔ میں نے ان کو حق بتانے میں کوتاہی نہیں کی۔ میں نے ان کو توجہ دینے میں کمی نہیں کی۔ میں نے ان کو ناجائز رقم لانے کے لئے نہیں کہا۔ میں نے ان سے کوئی سرمایہ نہیں لوٹا۔ میں نے انہیں اپنی ذات کے لئے استعمال نہیں کیا یہ ساری باتیں اس بارگاہ میں کھڑے ہو کر ایک ایک فرد کے ساتھ پیر صاحب کو ثابت کرنا ہونگی۔ یہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر پیری بے لذت ہو جاتی ہے اور یہ جو دھڑا دھڑ لوگ گھیر کر اور دھوکے دھوکے سے بیعت میں پھنساتے ہیں اور ان سے پھر شیرینیاں لیکر مزے اڑانے کی کوشش کرتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ انہیں اس لمحے کا یقین نہیں ہے تو دنیا ہماری ضرورت بھی ہے ہم دنیا میں رہتے بھی ہیں لیکن اس یقین کے ساتھ رہو کہ دنیا کے مال و دولت کا بھی' دنیا میں کئے ہوئے کاموں کا بھی' اس کردار کا بھی ہیں اللہ کریم کے روبرو حساب دینا ہے تو پھر دنیا خطرناک نہیں ہے جہاں غلطی ہو جائے توبہ کرو۔ معافی مانگو۔ کسی کا حق مارا جائے اسے لوٹانے کی کوشش کرو۔ جہاں باطل ہو اسے سامنے ڈٹ جاؤ اس کے لئے ہمیں یہ بھی جواب دینا ہے کہ ہم نے ظلم کا مقابلہ کیا تھا۔ ظلم کا مقابلہ نہ کرنا ظلم کے برابر ہوتا ہے۔ ظلم ہو رہا ہے اور آپ ظلم کو ظلم کہنا بھی گوارا نہیں کرتے تو آپ بھی ظلم کو قائم رکھنے والوں میں شامل ہیں۔ تو اللہ کریم یہ یقین نصیب کریں۔ چونکہ یہ یقین دلیل عقلی بھی موجود ہے لیکن یہ محتاج ہے قلب کی کیفیات کا کہ دل مانے اس کو اور دل سے منوانے کا طریقہ ایک ہی ہے کہ اسے صاف کیا جائے۔ اس پہ انوارات و برکات نبوی مترشح ہوں۔ صداقت نبوی اس پہ عیاں ہو عظمت نبوی ﷺ سے وہ آگاہ ہو۔ تجلیات باری اس پہ متوجہ ہوں اور اسے وہ یقین کی عظیم نعمت نصیب ہو۔

اس یقین کے ساتھ زندگی گزارو کہ دنیا کے مال و دولت کا اور دنیا میں کئے ہوئے کاموں کا بھی اللہ کریم کے روبرو حساب دینا ہے

الله مولنا ولا مولیٰ لهم

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

26ویں پارے میں یہ سورۃ محمد ہے نبی علیہ الصلواۃ والسلام کے نام نامی سے موسوم ہے یہ مدنی سورتوں میں سے ہے اور اس میں نفاذ اسلام' احقاق حق اور باطل کے سیدھے سیدھے احکام موجود ہیں یہ پوری سورۃ مبارکہ جہاد فی سبیل اللہ کو' باطل کے مقابلے کو' حق کو قائم کرنے کے عمل کو نبی علیہ الصلواۃ والسلام کے اتباع سے موسوم کرتی ہے اور اگر یہ چیزیں درمیان سے نکال دی جائیں تو باقی اعمال کے ابطال کا حکم دیتی ہے۔ میں اس کے ایک رکوع کا سادہ ترجمہ کئے دیتا ہوں آج کے اس سبق میں بغیر کسی مزید تشریح وتفسیر کے براہ راست قرآنی آیات سے آپ خود اندازہ لگالیجئے کہ یہ کتنا کرنے کا کام ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○ الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ اضل اعمالھم وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور پھر ان کا عمل اللہ کے رستے سے روکنے کا سبب بنا دیوار بن گئے اللہ کی راہ میں ان سے اگر کوئی بھلائی کا کام بھی ہو گیا اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے وہ ضائع ہو گیا۔ آخرت میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اللہ کی راہ سے روکنا دو طرح سے ہوتا ہے ایک تو یہ ہے کہ آدمی نکل کھڑا ہو برائی کی اشاعت کیلئے۔ نیکی کو مٹانے کے لئے جس طرح آج مسلمان ہونے کے باوجود ہمارے ہاں سیاست' حکومت' ذرائع ابلاغ' سرکاری ذرائع وسائل یہ سارے یہی کام کر رہے ہیں معیشت میں سود ہے' عدالتوں میں غیر اسلامی انصاف ہے' جسے اسلامی انصاف نہیں کہا جا سکتا اور جو کچھ ہمارے ریڈیو' ٹیلی ویژن پہ آتا ہے وہ سارے کا سارا ہی بے حیائی پھیلانے کا سبب بن رہا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ اللہ کی راہ سے عملاً" روکنا' کافر تو خیر روکے گا ہی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس پر خاموش رہنا یہ بھی ظلم کا ساتھ دینے کے برابر ہوتا ہے۔ ایک ہوتا ہے وہ شخص جو ظلم کرتا ہے وہ تو ظلم ہے ہی جو اس کے ظلم کو دیکھ کر ارادۃ" درگزر کرتا ہے اور برداشت کرنے کی پالیسی اپناتا ہے۔ وہ بھی اس کے ظلم میں برابر کا شریک ہے تو ہم دو طبقوں میں بٹ گئے ہیں ایک حصہ وہ جو ظلم کرتا ہے دوسرے وہ جو ظلم سہتے ہیں اسے برداشت کرتے ہیں اور گزارہ کئے جارہے ہیں بلکہ ہم اس سے کچھ آگے ہیں اگر حقیقت کو دیکھا جائے تو ہم صرف برداشت نہیں کرتے بلکہ ان ظالموں کو اقتدار سونپنے کا سبب بنتے ہیں ہم ہی سبب بنتے ہیں ان کی بقا کا' ان کے اقتدار کی بقا کا اور اس اقتدار کے سہارے یہ ظلم کرتے ہیں۔

اب آگے آگئی بات ایمان کی تو ایماندار کون ہے والذین آمنوا وعملو الصلحت وہ لوگ جنہیں ایمان نصیب ہوا اور عمل صالح نصیب ہوا وامنوا بما نزل علٰی محمد مانتے ہیں اس بات کو جو نازل ہوئی حضرت محمد ﷺ پر اسی نام کی وجہ سے اس پوری سورۃ کو سورۃ محمد کہتے ہیں یعنی مومن وہ ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے۔ ایمان کی شرط سے عمل صالح۔ عمل صالح کی اگر ہم تعبیر کرنا چاہیں ' تشریح کرنا چاہیں تو ہر وہ کام صالح ہے جو نبی علیہ الصلواۃ والسلام کو پسند ہے۔ اب ایمان کی تشریح فرماتے ہیں رب جلیل وامنوا بما نزل علی محمد اس بات کو مانیں جو نازل ہوئی حضرت محمد ﷺ پر۔ اس کی تاویلیں نہ گھڑیں بہانے نہ بنائیں۔ ہیرا پھیری نہ کریں۔ سیدھا سیدھا جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اسے بالکل سیدھا سیدھا مانیں۔ وھو الحق من ربھم اور جو کچھ حضور ﷺ پر نازل ہوا حق ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ اب یہ لوگ جو جان ودل سے ارشادات باری مانتے ہیں۔ نبی علیہ الصلواۃ والسلام کا اتباع اختیار کرتے ہیں بغیر چون وچرا کے بغیر کسی اینچ پینچ کے' حضور ﷺ فرماتے ہیں مار کھاتے رہو نہیں بولنا وہ مار کھاتے رہتے ہیں بولتے نہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں گھر چھوڑ دو وہ گھر چھوڑ دیتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں میدان میں نکلو لڑنا ہے میدان میں نکل کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نہیں پوچھتے اسلحہ کہاں ہے۔ طاقت کہاں ہے۔ راشن کہاں ہے کیوں گھر چھوڑ دیں؟ کیوں مار کھائیں؟ کچھ نہیں پوچھتے جو حکم ہوتا ہے بے چون مانتے چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ جو ہیں بتقاضائے بشریت اگر ان سے خطا ہو جائے کفر عنھم سیاتھم اللہ ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے گا آخر انسان ہیں ان سے کوتاہی ہوگی سستی ہو جائے گی' گناہ ہو جائے گا' غلطی ہو جائے گی' بتقاضائے بشریت جو قصور ان سے ہو جائے گا اللہ ان سے درگزر فرمائے گا ان کی اس خلوص نیت کی بنیاد پر کہ وہ چاہتے یہ ہیں کہ جان مال سے حضور ﷺ کے راستے پر قربان ہو جائیں' ان کے خلوص میں شک نہیں۔ ان کی کوششوں میں شک نہیں ہے۔ اب انسان ہیں لغزش ہوگئی تو انہیں توبہ کی توفیق بھی دے گا اور ان درگزر بھی فرمائے گا اور پھر واصلح بالھم۔ ان کی ساری پریشانیاں بھی دور کر دے گا یہ آج جن پریشانیوں کا ہم شکار ہیں کہ بیماریوں کا علاج نہیں ہے۔ عدالتوں میں جاؤ انصاف نہیں ہے۔ گھر میں آؤ تو تحفظ نہیں ہے۔ نہ جان کی حفاظت کا کوئی سامان ہے

نہ مال کا۔ نہ آبرو کا جو لٹ گیا لٹ گیا جس نے لوٹ لیا لوٹ لیا اندھیر نگری بنی ہوئی ہے تو فرمایا تم میرے نبی ﷺ سے خلوص دل کے ساتھ عہد غلامی کر لو۔ میں تمہارے حالات سدھار دوں گا۔ جس طرح لوگوں نے ہجرت کی۔ جہاد کیا اللہ کریم نے پوری دنیا ان کے قدموں میں ڈال دی۔ وہی مٹھی بھر لوگ تھے جو مکہ مکرمہ سے جان بچا کر بھاگے تھے اور وہی مٹھی بھر لوگ جو سارے اہل مکہ کو پاؤں تلے لے کر کھڑے تھے فتح مکہ بعد وہی مٹھی بھر صحرانشین تھے جنہوں نے پوری دنیا کو مسخر کر لیا۔ فتح کر لیا ان کے حالات نہ صرف سدھرے بلکہ انہوں نے دنیا کے حالات سنوارے۔ فرمایا! یہ راستہ ہے کہ گناہوں سے درگزر بھی فرمائے گا۔ **واصلح بالھم** ان کے سارے امور کی اصلاح کر دے گا یہ ترجمہ کرنے والوں نے لکھا ہے کہ ان کی حالت سنوار دے گا۔ **ذلک بان الذین کفروا اتبعوا الباطل** ان دونوں امور کا سبب یہ ہے کہ کافر باطل کا پیروکار ہوتا ہے۔ باطل سے تعاون کرتا ہے باطل کی پیروی کرتا ہے **وان الذین امنوا اتبعوا الحق من ربھم** اور جسے ایمان نصیب ہو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے جو حق نازل ہوا ہے اس کی پیروی کرتا ہے۔ کافر اور مومن میں فرق یہ ہے کہ کافر اس راستے کو اپناتا ہے جو باطل ہے اور مومن اس راستے کو اپناتا ہے جو حق ہے عملی زندگی میں **کذلک یضرب اللہ للناس امثالھم** اللہ اس طرح سے مثالوں سے واضح فرما کر بنی آدم کیلئے بات ارشاد فرما دیتا ہے اس میں کوئی ابہام نہیں رہتا۔ کوئی اس میں ایسی بات نہیں ہوتی کہ بندے کی سمجھ میں نہ آئے۔ اب جب آپ حق کا راستہ اختیار کریں گے کافر باطل کو مسلط کرنا چاہتا ہے۔ آپ حق کو رائج کرنا چاہتے ہیں تو ٹکراؤ ہو جائے گا کافر تو پھر اپنی من مانی کرنا چاہے گا۔ آپ اللہ کا حکم نافذ کرنا چاہتے ہیں **فاذا لقیتم** اگر اس بات پر مقابلہ ہو جائے۔ اگر کافر مصر اس بات پر اڑ جائے اور مقابل آجائے۔ **فاذا لقیتم الذین کفروا** اگر کافروں سے مقابلہ آجائے **فضرب الرقاب** ان کی گردنیں اڑا دو۔ اگر کافر مصر ہو باطل کو جاری رکھنے پر اور مومن حق و انصاف رائج کرنا چاہتا ہے اس بات پہ مقابلہ آجائے تو پھر ان کی گردنیں اڑا دو۔ **حتی اذا ثخنتموھم** حتی کہ انہیں اس طرح تہس نہس کر دو کہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں **فشد الوثاق** جو زندہ گرفتار ہو جائے اسے خوب مضبوطی سے قید کرو ان کا وہ غرور توڑ دو کہ وہ مصر ہوں باطل کو رائج رکھنے پر جب وہ غرور ٹوٹ جائے تو جو مر گئے مر گئے جو تمہاری قید میں ہیں اگر سمجھتے ہو کہ اب یہ باطل کو رائج کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ان پر احسان کرو انہیں چھوڑ دو **فامامنا بعد واما فداء** یا پھر تم سمجھتے ہو کہ اسلامی ریاست کو ضرورت ہے سرمائے کی تو ان سے فدیہ لو یہ تمہارا اپنا کام ہے۔ احسان کر کے چھوڑ دو قیدیوں کو یا ان سے فدیہ لو لیکن حالت یہ ہو **حتی تضع الحرب اوزارھا** کہ لڑائی چھوٹنے کا اندیشہ نہ رہے۔ وہ ہتھیار اٹھانے کے قابل نہ رہیں اس لئے نہیں کہ وہ کافر ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ باطل رائج کرنا چاہتے ہیں۔ اگر باطل رائج کرنے پہ اصرار نہ کریں تو کافر اسلامی ریاست میں ذمی بن کر رہ سکتا ہے کہ جان محفوظ ہو۔ مال محفوظ ہو۔ آبرو محفوظ ہو اسے عقیدہ رکھنے کی اجازت ہو۔ اپنے عقیدے کے مطابق پوجا پاٹ کرنے کی اجازت ہے لیکن اگر وہ اسی باطل کو اس عہد پہ یا ملک پہ یا ریاست پہ یا لوگوں پہ رائج کرنا چاہے تو یہ برداشت نہیں کی جائے گی **ذلک** معاملہ اس طرح سے ہے اب تم پر ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔ سیدھا سیدھا معاملہ ہے' سیدھی کھری سی بات یہ ہے **ولو یشاء اللہ لانتصر منھم ولکن لیبلوا بعضکم ببعض** اگر اللہ چاہتا تو خود انہیں تباہ کر دیتا لیکن تمہارے ہونے کا ثبوت کہاں ملتا۔ تمہاری حیثیت کا پتہ کیسے چلتا۔ تمہاری وہ محبت' تمہارا وہ عشق' تمہارے وہ دعوے' تمہاری وہ اللہ اللہ' تمہاری وہ اللہ سے محبت' نبی علیہ الصلواۃ والسلام سے محبت کا اظہار کب ہوتا اگر تمہیں یہ میدان میسر نہ آتے یہی تو میدان ہے جہاں تم نے واضح کرنا ہے کہ ہم محمد رسول اللہ پر جان بھی نچھاور کر سکتے ہیں' مال بھی نچھاور کر سکتے ہیں' تمہاری اول و آخر آرزو یہی ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی ہو۔ **والذین قتلوا فی سبیل اللہ فلن یضل اعمالھم** اور اگر اس راہ میں کچھ لوگ مارے گئے کام آگئے۔ ان کا کام آنا ضائع نہیں جائے گا اگر کام آگئے تو وہ واقعی بہت کام کی جگہ پر پہنچے۔ **سیھدیھم ویصلح بالھم** اللہ انہیں ہدایت بھی دے گا۔ جن کے شہید ہونگے جو قوم اپنے شہداء پیش کریگی اس قوم کو شہداء کے طفیل ہدایت بھی نصیب ہوگی **ویصلح بالھم** اور اسی کا حال بھی سدھرے گا اسی کے حالات بھی درست ہونگے جو اپنے شہداء بارگاہ الوہیت میں پیش کریگی اور شہید ہونے والوں کو **ویدخلھم الجنتہ** ان پر جنت کے دروازے کھول دے گا **عرفھا لھم** وہ جنت جسے ایمان کی نظر سے انہوں نے پہچان رکھا نبی علیہ الصلواۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق جسے جانتے تھے۔ حضور ﷺ کے بتانے سے جس کی پہچان انہیں دنیا میں نصیب ہو گئی تھی وہ جنت ان کے لئے کھول دے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ **یاایھا الذین امنوا** اے وہ لوگو جو ایمان رکھتے ہو **تنصروا اللہ ینصرکم** اللہ کی مدد کے طلب گار ہو تم۔ تم اللہ کی مدد کرو وہ تمہاری مدد کریگا۔ اب بندہ اللہ کی مدد کیا کرے گا۔ اللہ کے احکام کے نفاذ کے لئے اٹھ کھڑے ہو وہ تمہارے ساتھ اور اگر تم اس پہ سمجھوتہ کئے ہوئے ہو تو پھر اللہ کی امداد کا انتظار نہ کرو اگر تم باطل سے ڈرتے ہو اب ہمارے بڑے بڑے جرنیل یہ فرماتے ہیں۔ حکمران یہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان پچاس کروڑ انسانوں کا ملک ہے ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے بھئی مقابلہ نہیں کر سکتے تو پھر اس کے ذی ہو جاؤ اور ان کی غلامی قبول کر لو پھر الگ ملک بنا کر لوگوں پہ ٹیکس لگا کر اور لوٹ لوٹ کر تم کیوں عیاشیاں کر رہے ہو۔ اتنی بڑی فوج کا خرچہ یہ اتنے جو روزانہ جہاز اڑاتے ہو۔ اتنی موٹریں روز چلاتے ہو۔ اربوں کا بجٹ بنتا ہے فوج کا تو وہ غریبوں پہ کیوں ڈال رکھا ہے جانے دو۔ بھئی کسی ملک

کا ہونا' کسی ریاست کا ہونا' اس کی حکومت کا ہونا' اس کے پاس افواج کا ہونا' اسی بات کی ضمانت ہے کہ دنیا کا کوئی ملک بھی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا تو ہم لڑ جائیں گے۔ جس ملک نے اس میں مداخلت کرنی ہے وہ اس ساری فوج کے ایک ایک سپاہی کو ذبح کر کے آگے بڑھے گا اگر یہ مقصد نہ ہو تو پھر فوج رکھنے کا مقصد کیا ہے اور اگر پھر حکمران ہی یہ کہہ دیں جی مقابلہ ممکن نہیں ہے تو پھر یہ بوجھ تم نے اس قوم پر کیوں لاد رکھا ہے۔ پھر انہیں ہندو کے برتن دھونے دو اور ہندوؤں کے جانوروں کا چارہ کاٹنے دو اور انہیں غلامی میں دے دو ہندوؤں کی۔ ظلم کریں گے تو ہندو تو کریں گے نا۔ اس قوم کو یہ آسرا تو ہو گا کہ کافر مجھ پر ظلم کر رہا ہے۔ تمہارے ظلم سے تو بچ جائے گی تو یہ ایمان نہیں ہے۔ یہ ایمان کے منافی بات ہے۔ مومن کا یہ ذمہ نہیں ہے کہ اس کے پاس اسباب کافر سے زیادہ ہوں یہ مومن کے ذمے نہیں ہے مومن کے ذمے یہ بھی نہیں ہے کہ اس کے پاس فوج کافر سے زیادہ طاقتور ہو۔ اس کے ذمے یہ ہے کہ جو وسائل اسے میسر ہیں وہ لیکر میدان میں کھڑا ہو جائے اس کے آگے اللہ فرماتا ہے آگے میرا کام ہے۔ میں جانوں اور کافر جانے میں نبٹ لوں گا لیکن تم اتنی جرات تو کرو کہ میدان میں تو آؤ۔ یایھا الذین امنو ان تنصروا اللہ ینصرکم اگر تم اللہ کی مدد کیلئے نکلو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ ویثبت اقدامکم تمہیں جرات عطا کردے گا کہ تم ڈٹ کر کھڑے ہو سکو۔ والذین کفروا فتعسالھم کافروں کے لئے تو ان کا مقدر ہے ہلاکت' رسوائی' شکست' ہلاکت ان کا نصیب ہے۔ اگر یہ انہیں نہیں مل رہی تو یہ تمہاری سستی ہے کہ تم نے میدان چھوڑ دیا۔ آج تم میدان میں آجاؤ تو کافروں کا مقدر یہ ہے کہ انہیں تباہی وہلاکت نصیب ہو۔ ہلاکت ان کا حصہ ہے واضل اعمالھم دنیا میں ان کے لئے ہلاکت ہے اور آخرت میں ان کے اعمال کی کوئی قیمت نہیں۔ ذلک بانھم کرھوا ما انزل اللہ یہ اس لئے ہے کہ انہیں اللہ کے احکام پسند نہیں ہیں اللہ کا دین انہیں پسند نہیں ہے۔ احکامات نبوی کو انہوں نے رد کر دیا فاحبط اعمالھم اللہ نے ان کے سارے عمل ضائع کر دیئے افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبتہ الذین من قبلھم کیا انہوں نے' کیا لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کیا زمین کا چپہ چپہ یہ تاریخ نہیں بتا رہا کہ بڑی بڑی طاقتور قومیں اپنی طاقت کے زعم میں تباہی کے عمیق غاروں میں اتر گئیں۔ اپنے کفر اور اپنی گمراہی کی وجہ سے دمر اللہ علیھم اللہ نے ان کو تباہ برباد کر دیا وللکفرین امثالھا ہر کافر کا وہی حال ہو گا جو پہلوں کا ہوا ہے۔ یہ کفر کا منطقی انجام ہے ذلک بان اللہ مولی الذین امنوا اس کا سبب یہ ہے کہ مومنوں کا دوست اللہ ہے ان کا والی اللہ ہے۔ ان کا مالک اللہ ہے وان الکفرین لا مولی لھم کافروں کا کوئی مددگار' کوئی والی' کوئی دوست نہیں اللہ کے مقابلے میں کس کی جرات ہے۔ یہی نعرہ احد میں نبی علیہ الصلواۃ والسلام نے لگوایا تھا کہ کافروں سے کہو۔ اللہ مولنا ولا مولی لکم ہمارا اللہ مالک ہے' مولا ہے دوست ہے اور تمہارا کوئی محافظ نہیں یہ ایک پورا رکوع ہے سورہ محمد کا جو میں نے تلاوت کیا اور اس کا سادہ سا ترجمہ کر دیا ہم جو تقریریں کرتے ہیں۔ تشریحات کرتے ہیں اس میں ہماری تعبیریں شامل ہیں کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ وہ ان حدود سے باہر نہ جائے جو قرآن وسنت کی ہیں کہ قرآن وسنت کی تشریح اگر ان خطوط سے تجاوز ہو جائے تو تحریف فی القرآن بنتی ہے جس پر جہنم کی وعید ہے یا نبی علیہ الصلواۃ والسلام کی ذات بابرکات پر اگر کوئی جان بوجھ کر جھوٹ بولے تو اس کی سزا بھی جہنم ہے۔ اس کا ٹھکانہ بھی دوزخ ہے تو تعبیر و تشریح بھی نہایت احتیاط سے انہی حدود کے اندر کی جاتی ہے۔ جو سلف صالحین نے متعین فرمائی ہیں۔ قرآن وسنت نے متعین فرمائی ہیں لیکن اس میں تو کوئی تشریح بھی نہیں کی یہ تو بڑا سادہ سا عام سا ترجمہ یہ ساری اگر تقریر ہے تو قرآن کی ہے۔ اللہ جل شانہ کی ہے اور دیکھ لیجئے اس میں ساری محنت ومجاہدے کا حاصل یہ ہے کہ دل میں قرب الٰہی معرفت الٰہی ایسی آجائے کہ اللہ کے ارشادات پر ہمیں یقین کامل نصیب ہو جائے اعتبار آجائے۔ جرات وہمت آجائے اور حق کا ساتھ دینے کی توفیق نصیب ہو جائے اور باطل کو باطل کہنے کی جرات نصیب ہو جائے۔

بقیہ-امام مسجد کی زندگی

کے ان مدرسوں میں ڈھائی لاکھ سے زائد طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ پورے ملک میں یقیناً" ان کی تعداد دس لاکھ سے زائد ہوگی۔ حافظ صاحب نے کہا کہ بلاشبہ اگر تھوڑے بہت ہیں تو بھی ان کو ملک وقوم کے وسیع تر مفاد کی خاطر ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ انہیں مدرسوں سے فارغ التحصیل طلباء کی کثیر تعداد آئمہ مساجد کے فرائض سنبھالتی ہے اب عام لوگ بھی ان وارداتوں سے خوفزدہ اور دہشت زدہ ہو کر دینی راہنماؤں کے بارے میں غلط فہمیوں اور وسوسوں کا شکار ہو گئے ہیں اکثر مساجد میں نماز کے اوقات میں پولیس کا رائفل بردار سپاہی پہرہ دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے دینی راہنماؤں اور عوام کے درمیان تعلقات پر کتنی شدت سے شکوک وشبہات کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ انہیں ہر حال میں ختم ہونا چاہئے۔

بقیہ-حلقہ ذکر

مولانا محمد اکرم اعوان اجتماعی ذکر کے بارے تحریر فرماتے ہیں کہ "عبادت وتسبیح یا ذکر آدمی اکیلا بھی کر سکتا ہے مگر ساتھی ہوں اور ماحول ایسا مل جائے تو بہت بہتر طور پر کر سکتا ہے نیز اجتماعی ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ ہر آدمی کا اپنا ایک تعلق ہے اور اس کی خاص نوعیت ہے جب وہ ذکر کرتا ہے تو اسی طرح کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور ویسے انوارات آتے ہیں۔ دوسرے کے الگ اور تیسرے کے الگ۔ تو جب کئی لوگ مل کر ذکر کرتے ہیں تو رنگارنگ انوارات کی بارش ہوتی ہے ان سب سے ہر ایک مستفید ہوتا ہے

شیروں کے کچھار میں (دوسرا حصہ)

تحریر۔ امیرالاخوان حضرت محمد اکرم اعوان

ہم اس مشہور وادی خیسورہ کو دیکھتے ہوئے گزرے جہاں انگریز کے جہاز تو بم گرا جاتے تھے مگر اس کے سپاہی اس زمین کو چھو نہ سکے کہ نالہ تنگ، راستہ دشوار اور دونوں طرف سے فائر کی زد میں تھا۔ گھنٹہ بھر چلنے کے بعد یہ وادی ختم ہو کر آگے کھلی وادی اور اس میں بہت بڑے بڑے گاؤں آگئے جہاں طیارزہ کا قلعہ اور پوسٹ تھی۔ یہاں سے وانا سے میرن شاہ جانے والی سڑک مل گئی اور ہم وانا مڑ گئے جو زیادہ دور نہ تھا سڑک پہاڑ کے اوپر جا کر دوسری طرف اتری تو سامنے دریا کے پل جسے خرپل کہتے ہیں سے اس پار پہلے والی سڑک سے مل گئی اور یوں ہم وانا کی مشہور اور پرانی چھاؤنی میں پہنچ گئے جہاں انگریزی عہد میں بریگیڈ ہیڈ کوارٹر ہوا کرتا تھا یہ جگہ بہت کھلی کافی بلندی پر اور بہت پرفضا ہے انگریز کی چھاؤنی کی ضرورت یہ بھی تھی کہ پہاڑوں سے اس قدر دور ہو کہ رائفل کا فائر کارگر نہ ہو۔ اس کے باوجود چھاؤنی کے گرداگرد پکٹیں تھیں جن میں مورچہ بند فوجی رات دن پہرہ دیتے۔ ایک مشہور پکٹ کا نام جبرال پکٹ ہے اس پہاڑی کی شکل جبرالٹر کی طرح ہے اور نالے کے کنارے پر ہے لہٰذا اسے یہ نام دیا گیا۔

مشرق کی بلند پہاڑی پر شیشہ پکٹ ہے اس کا یہ نام اس وجہ سے ہے کہ شیشے کی مدد سے یہاں سے دور دور تک پیغام رسانی ہوتی تھی۔ اب زمانہ وائرلیس کا ہے مگر پہلے رات کو لائٹ سے اور دن کو شیشے کی چمک سے الفاظ منتقل کئے جاتے تھے۔ ان سب انتظامات کے باوجود پٹھانوں کی یلغار نے بارہا وانا چھاؤنی کو تباہ کیا۔ کبھی ملا پوندہ رحمتہ اللہ علیہ نے، کبھی فقیرا سپی رحمتہ اللہ علیہ اور کبھی قبائلی سرداروں نے۔ ان کا طریقہ شب خون مارنے کا تھا یہ جیالے منٹوں میں اپنا کام کر کے غائب ہو جاتے۔ رائفلیں اور گولہ بارود لوٹ کر لے جاتے۔ انگریز اور ہندو کو خصوصاً" قتل کرتے بلکہ وزیرستان میں بہت عرصہ تک شادی کی شرائط میں یہ بات بھی شامل تھی کہ دولہا انگریز یا ہندو کا سرلائے تو نکاح کر کے دیا جائے گا یہ مردانگی کا امتحان ہوا کرتا تھا۔

یوں تو یہ شیروں کے کچھار ہیں اور ہر جھاڑی کسی شیر کا مسکن ہے مگر بعض لوگ اس قدر سربر آوردہ مجاہد تھے کہ نہ تاریخ انہیں فراموش کر سکتی ہے اور نہ دشمن ان کی جرات وبہادری کے اعتراف کے بغیر رہ سکتا ہے ان ہی میں سے ایک ہستی کا نام فقیرا سپی تھا۔ جن کا نام حاجی مرزا علی خاں طوری خیل وزیر قادری اور لقب امیرالمجاہدین یا مجاہد کبیر تھا۔ یہ اسپی گاؤں کے رہنے والے تھے اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ سید حسن نقیب چار باغ جلال آباد سے بیعت تھے اور قادری سلسلہ میں خرقہ خلافت پایا تھا۔

بندہ ناچیز نے ان کے حالات پڑھ کر توجہ کی تو ان کا قلب بہت منور پایا بلکہ لطیفہ قلب کی کیفیات کے دوران ہی زیارت ہوئی بہت زیادہ مجاہدہ کرنے والے اور عجیب بات ہے کہ صرف قلب کی روشنی پر بہت تیز مکاشفات رکھنے والے تھے۔ ان چیزوں کا انحصار عطائے باری کے ساتھ ساتھ بڑی حد تک مجاہدہ پر ہوتا ہے۔

ان سے پہلے بہت سے سرفروشوں نے انگریز کا مقابلہ جاری رکھا جس میں ملا پوندا نے ایک عجیب تحریک چلائی کہ پٹھان سپاہیوں اور اردلیوں کو انگریز افسر قتل کرنے کی ترغیب دی جس کے نتیجے میں بہت سے انگریز قتل بھی ہوئے اور باقیماندہ کی راتوں کی نیند حرام ہوگئی۔ اس کے ساتھ چھاؤنیوں پر شب خون، کانوائے پر حملہ اور مقابلہ جاری رکھا۔ 1913ء میں آپ کی وفات پر انگریز بہت خوش ہوئے مگر یہ خوشی بھی دیرپا ثابت نہ ہوئی البتہ مقابلوں میں کوئی مرکزی قوت نہ رہی اور انگریز 1921ء سے 1925ء تک کے عرصے میں جنڈولہ سے وانا اور میرن شاہ سے رزمک، وانا تک سڑک بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ جس کی وجہ سے وانا، رزمک، ڈوسلی چھاؤنیاں بنا دی گئیں۔ میر علی اور جنڈولہ پہلے فوجی ہیڈ کوارٹر تھے۔ یوں یہ سڑک پورے وزیرستان کے جگر سے گزر گئی۔

مگر ہر میل اور ہر موڑ پر خون دینا پڑا۔

ہفتہ میں دو روز کے لئے سڑک کھلا کرتی تھی اس میں پہلے فوج گرد کی پہاڑیوں پر قبضہ جماتی پھر درمیان میں کانوائی چلتی۔ اس کے باوجود کسی کانوائے کا بچ کر نکل جانا ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔ 1935ء میں لاہور مسجد شہید گنج کا واقعہ پیش آگیا۔ ادھر بنوں میں ایک ہندو لڑکی نے اسلام قبول کر کے ایک پٹھان نوجوان سے شادی کرلی۔ ہندوؤں نے مقدمہ کیا تو انگریز نے لڑکی ہندوؤں کو لوٹا دی۔ ان دو واقعات نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور وزیرستان کے مختلف ملک اور قبائلی سردار جمع ہو کر فقیرا سپیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اب مرکزی شخصیت صرف آپ ہی کی ہے لہٰذا آپ نے اللہ کا نام لیکر جہاد شروع کیا اور 1936ء سے لے کر 1947ء تک انگریز کے خلاف پورے وزیرستان میں نبرد آزما رہے۔ آپ کے معرکوں نے امام شاملؒ اور مہدی سوڈانیؒ کی یاد تازہ کردی۔ انگریز بہادر نے اپنا پورا زور بازو آزما کر دیکھا۔ مگر یہ مرد خدا نہ جھکا نہ ان کے ہاتھ آیا بلکہ ایک کتاب کا نام ہے "فقیرا سپی ایک چھلاوہ تھے"

انہوں نے رات دن اللہ کی راہ میں ایک کر دیا۔ بڑے بڑے انگریز سورما دو دو بریگیڈ فوج لیکر حملہ

آور ہوئے اور انہیں گرفتار کرنے کی بجائے منہ کی کھا کر ذلت وخواری سے واپس آئے۔ انگریزوں کی روائتی چالیں' روپے کا لالچ' عہدے کی ترغیب اور سارے حربے اللہ کے اس بندے نے پاؤں کے نیچے روند دیئے اور یوں برصغیر سے انگریز کے جانے تک برسرپیکار رہا۔ سارا وزیرستان آپ کی جولان گاہ تھا۔ کاش! کوئی باقاعدہ نظام تشکیل پاتا تو ایک اسلامی ریاست بن جاتی مگر صرف جہاد اور وہ بھی بندوق تک محدود رہا آخری دو سالوں میں فقیر صاحب نے توپیں بنوائیں مگر وہ زیادہ موثر نہ تھیں۔ کاش! باقاعدہ فوج اور اس کے عہدے' علاقہ' قانون سب بنایا جاتا تو کتنا اچھا ہوتا۔

آپؒ نے پاکستان کی تقسیم پر بھی کہا تھا کہ ہم اپنا جہاد بند کرتے ہیں کہ پاکستان سے جہاد شرعاً" درست نہیں۔ مگر موجودہ پاکستان بھی انگریز کی سازش ہے ایک حصہ مسلمان یہاں' ایک حصہ ہندوستان میں اور ایک حصہ بنگال میں تقسیم کر دیئے ان کے خیال میں سارا کشمیر اور دہلی تک کا علاقہ مسلمانوں کا حق تھا۔ اور ساتھ بنگال بھی

فقیر ایسی جو انگریز کیلئے برق تپاں ثابت ہوا یہ پانچ فٹ سات انچ کا دبلا پتلا' کمزور سا انسان جو دمہ کا مریض بھی تھا رنگ گندمی سیاہی مائل ڈاڑھی پتلی اور آواز نحیف تھی مگر جذبہ جوان تھا۔ گیارہ برس انگریزی فوج کے لئے بلائے ناگہانی بنا رہا' آخر عمر میں چارپائی سے اٹھنے کے قابل نہ رہے تھے مگر ہمت نہ ہاری پاکستان بننے کے بعد گورو بخت ہی میں قیام پذیر ہو گئے کہ انگریز کے گماشتوں نے ان کے بارے غلط فہمیاں پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ دوسری طرف انہیں پٹھانستان کیلئے پاکستان کے ساتھ جنگ کرنے کی ترغیب دی مگر اس مرد قلندر نے فرمادیا

"مسلمان کا قتل حرام ہے' یہ جہاد نہیں ہو سکتا"

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بہرحال آپ 1960ء میں واصل بحق ہوئے آپ کا مزار "گورو بخت" میں دشوار گزار پہاڑوں کے درمیان کابل کی سرحد پر ہے جہاں آپ کا بھتیجا فی الحال جانشین ہے جسے امیر المجاہدین کا لقب دیا گیا امیر صاحب کہلواتا ہے۔

جاری ہے

حلقہ ذکر

تدوین۔ ڈاکٹر نصیر احمد کلو

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ .....
(الکھف 28)

اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح وشام (یعنی علی الدوام) اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کیلئے کرتے ہیں۔ اس آیت کے حصہ **مع الذین** سے اجتماعی ذکر اور حلقہ ذکر کا ثبوت ملتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو بھی ان کی معیت کا حکم ملا ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ **ملائکہ** اہل ذکر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں جہاں کہیں انہیں ذاکرین کی کوئی جماعت مل جاتی ہے اپنے ساتھیوں کو بلاتے ہیں کہ یہ ہے وہ چیز جس کی تمہیں تلاش ہے چنانچہ وہ **ملائکہ** ذاکرین کو آسمان دنیا تک اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں یہاں تک کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا پھر ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ فلاں آدمی تو اہل ذکر سے نہیں وہ تو اپنے کام کے لئے آیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایسی مجلس ہے جس میں بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہ سکتا"۔

"مشکوۃ شریف میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں ایسے بہترین عمل کی خبر نہ دوں جس سے تم دنیا وآخرت کی بھلائی سمیٹ لو۔ سنو! مجالس ذکر کو لازم پکڑو"

فیض الباری میں ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے مصر میں مجلس ذکر قائم کی تھی پھر یہ مجلس نابود ہو گئی پھر امام سیوطیؒ نے اپنے زمانے میں قائم کی پھر ان کے بعد منقطع ہو گئی۔ سلف صالحین میں یہ دستور تھا کہ نمازوں کے بعد مجلس ذکر قائم کرتے تھے۔

المدخل ابن حاج مالکی میں ہے کہ سلف صالحین یعنی صحابہ کرامؓ تابعینؒ و تبع و تابعینؒ نماز فجر اور عصر کے بعد مسجد میں حلقہ ذکر کرتے تھے ان کے ذکر کی آواز شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح ہوتی تھی۔ ذکر کی یہ صورت خفی ہے یا پاس انفاس جس کا ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ میں خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ صوفیا کرام جو اوراد و وظائف اپنے معمول کے مطابق نمازوں کے بعد پڑھتے ہیں ان کی اصل صحیح موجود ہے۔

ذکر الٰہی کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے مطلق ہے اس اصول کی پیش نظر صوفیائے کرام نے ضرورت' مناسبت' موزونیت اور افادیت کے اعتبار سے جو صورت بہتر سمجھی اسے اختیار کر لیا۔ کہیں انفرادی طور پر ذکر کرنے کی تلقین کی اور کہیں اجتماعی ذکر کی صورت اختیار کی۔

"بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ چیز مجھے دنیا وما فیھا سے زیادہ محبوب ہے کہ ذاکرین کے ساتھ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک ذکر الٰہی کیا کروں"

"اور امام احمد اور مسلم نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کچھ لوگ ذکر الٰہی کیلئے بیٹھتے ہیں فوراً" ہی **ملائکہ** انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور ان پر نزول سکینہ ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت برستی ہے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر اپنے مقربین میں فرماتا ہے"

اسرار التنزیل میں شیخ المکرم حضرت

باقی صفحہ 57 پر ملاحظہ فرمائیں

دشمن کو پہچانو

ڈاکٹر مشتاق سیال

محسن انسانیت آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ نے حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ "اپنے آپ کو جانو اپنے دشمن کو پہچانو" اپنے آپ کو جاننے کے لئے زندہ قومیں ہمیشہ اپنا ماضی یاد رکھتی ہیں اور جو قومیں اپنا ماضی بھول جاتی ہیں بحیثیت قوم صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں آیئے دیکھیں کہ عہد رفتہ میں ہم کون کیا تھے؟ ہم وہ ہیں جن کے اسلاف عرب سے اٹھے اور روئے زمین پر چھا گئے ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جرات حضرت حسینؓ کی حق پرستی خالد بن ولید کی تلوار طارق بن زیاد کے عزم کے وارث اور محمد بن قاسم کی اولاد ہیں جو ایک مجبور مسلمان لڑکی کی فریاد پر طوفان بن کر اٹھے اور دشمنان اسلام پر برق تپاں بن کر گرے ہم وہ ہیں جنہوں نے بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا دیئے ہم فاتح سومنات بھی ہیں لتکونو شھدا علی الناس جن کا فریضہ اقوام عالم کی امامت ہے۔

حدیث مبارکہ کا دوسرا حصہ "اپنے دشمن کو پہچانو" تاریخ ہمیں انسان کے ماضی میں جہاں تک لے جاتی ہے ہمیں قوموں کے درمیان دشمنیاں نظر آتی ہیں یہ دشمنی آج بھی موجود ہے اور ہمیشہ رہے گی ہمیشہ وہی قومیں آزا اور باوقار رہی ہیں جنہوں نے اپنے دشمن کو پہچانا آج جو قومیں بڑی طاقتیں کہلاتی ہیں انہوں نے اپنے دشمن پر نظر رکھی اور اس کے مطابق ترقی کی منازل طے کرتی گئیں روسی حکمرانوں نے اپنی قوم کو ذہن نشین کرایا کہ امریکہ برطانیہ فرانس اور چین تمہارے دشمن ہیں چینی قوم کبھی بھی یہ نہ بھولی کہ امریکہ نے اپنی قوم کو یہ بتایا کہ روس اور چین تمہارے دشمن ہیں اپنے فرائض میں ذرہ سی بھی کوتاہی کرو گے تو سمجھ لو کہ تم نے دشمن کے ہاتھ مضبوط کر دیئے ان قوموں میں چین کی مثال قابل تقلید ہے یہ ایک پس ماندہ افیون کی نشئی قومی کردار اور معاشرتی نظم نسق سے عاری قوم تھی اس پر سب سے پہلے جاپان نے حملہ کیا جس میں چینیوں کو ذلت ورسوائی کا منہ دیکھنا پڑا پھر امریکہ نے اس پر غاصبانہ قبضہ جمانا چاہا چین کے قوم پرست لیڈروں نے قوم کو بے مائیگی اور دہشت زدگی کے عالم سے بیدار کیا گھروں کو کنبوں سمیت خیرباد کہا جنگلوں اور غاروں میں جنگی تیاریاں کیں اور طویل جنگ آزادی لڑ کر ملک کو آزاد کرایا اس کے بعد جتنے بھی ترقیاتی منصوبے بنائے ان کی بنیاد اس اصول پر رکھی کہ انہوں نے ہر شعبے میں ترقی نہ کی تو دشمن ان کے ملک پر قابض ہو جائیگا۔ چینی قوم نے اپنے ذاتی اور اجتماعی کردار کی بنیاد بھی اسی اصول پر رکھی آج چین دنیا کی بڑی طاقتوں کی صف میں ہے اس کا انداز اس قدر جارحانہ ہے کہ کوریا میں اس نے امریکہ کو شکست دی ویت ناموں کو اعلانیہ جنگی مدد دیکر وہاں سے امریکیوں کو بھگایا فلسطین کے فدائن کو بھی چینی جنگی مدد اور تربیت دیتے رہے ہیں۔ ماوزے تنگ کا قول ہے کہ بہترین سیاسی دلیل توپ کے دہانے سے نکلتی ہے۔

حالات گواہ ہیں کہ چینیوں نے اپنے دشمن کو اسی دلیل سے قائل کر دیا جو ان کی توپوں کے دہانوں سے نکلی ہے

یہ چند مثالیں اقوام کی حیثیت سے ہیں۔ بحیثیت مذہبی قوم کے اس روئے زمین پر جتنی بھی طاغوتی طاقتیں ہیں خواہ وہ یہود ہوں' ہنود ہوں' عیسائی ہوں' یا نصرانی دہریہ ہوں یا دیگر مذاہب مجموعی طور پر تمام اسلام دشمن ہیں صورۃ النساء کی آیت میں ارشاد ربانی ہے۔ یاایھا الذین آمنو الا تتخذو لکفرین اولیاء ترجمہ! اے ایمان والو کافروں کو دوست مت بنانا لیکن آج غیر مسلم کفار خصوصاً" یہودی نے عالم اسلام کے مسلمانوں کو تباہ وبرباد کرنے اور دنیا پر اپنی بالادستی قائم کرنے کے لئے بڑی منصوبہ بندی کی ہے بہت سے اصول اور کلیے وضع کئے ہیں آج یہودی قریباً" پوری دنیا کی معیشت پر کنٹرول حاصل کر چکا ہے آج ساری دنیا ایک طرف ہو کر اس کے خلاف قرارداد پاس کرتی ہے تو وہ ویٹو کی نذر ہو جاتی ہے اسے اپنے راستے میں کوئی رکاوٹ نظر آتی ہے تو وہ مسلمان ہیں اور مسلمانوں کی دنیا میں خصوصاً" عراق ایران اور پاکستان کو وہ اپنا اولین دشمن سمجھتے ہیں پاکستانی مسلمانوں کے خلاف اسرائیلی یہودیوں کے عزائم بڑے ہی خطرناک اور مصدقہ ہیں۔ جون 1967 کی عرب اسرائیلی جنگ میں عربوں کے کچھ علاقے چھین کر اور مصریوں کو شکست دیکر فرانس میں ان کی ایک بہت بڑی کانفرنس ہوئی اس میں یہودیوں کے بابائے قوم "بن گورین" نے قوم کو ایک مشن دیا جو لندن کے مشہور اخبار "جیکوئش کرانیکل" کی 16 اگست 1967ء کی اشاعت میں شائع ہوا بن گورین نے اپنی قوم کو مشن دیتے ہوئے کہا یہودی تحریک کو پاکستان سے جو خطرہ لاحق ہے اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور ہمارے وجود کے لئے ایک چیلنج اب ہمارا نشانہ پاکستان ہونا چاہئے پاکستانی قوم یہودیوں سے نفرت اور عربوں سے محبت کرتی ہے لہٰذا عالمی یہودی تحریک کا یہ فرض ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف فوری اقدامات کرے ہندوستان کے باشندے ہندو ہیں ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ نفرت بھری رہتی ہے اس لئے ہمیں یعنی یہودیوں کو چاہئے کہ ہم ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھ مل کر پاکستان کے مسلمانوں کے خلاف کاروایاں کریں ہندوستان ہمارے لئے کار آمد اڈہ بن سکتا ہے ہمیں چاہئے اس کار آمد اڈہ

سے فائدہ اٹھائیں اور یہودیت وصیہونیت کے دشمن پاکستانیوں کو کاری ضرب لگا کر کچل دیں اور یہ کام نہایت رازداری اور خفیہ منصوبوں کے تحت سرانجام دینا چاہئے۔

اس کے ساتھ ہی ایک یہودی ماہر پروفیسر ہرٹز نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ پاکستانی فوج اپنے رسول محمد ﷺ سے بہت ہی محبت رکھتی ہے یہی وہ بنیاد ہے جس نے پاکستان کو مستحکم رشتوں مین گانٹھ رکھا ہے یہ صورتحال ہماری یہودیت کیلئے سنگین خطرہ اور ہمارے اسرائیل کی توسیع میں حائل ہو سکتی ہے لہٰذا ہم یہودیوں کو چاہئے کہ ہر ممکن طریقہ سے پاکستانیوں کے دلوں سے ان کے رسول محمد ﷺ کی محبت ختم کریں لیکن ہماری براہ راست کوئی سرحد پاکستان سے نہیں ملتی جن ممالک کی سرحدیں پاکستان سے ملتی ہیں ان میں ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جو ہمارے کام آسکتا ہے لہٰذا پاکستانی مسلمانوں کو ختم کرنے کیلئے ہمیں اپنے منصوبے ہندوستان کے تعاون واشتراک سے بنانے ہونگے۔ بھیس بدل کر ان کے رسول کے فرضی عاشق شیدائی بن کر ان کے احکامات میں ردوبدل کرانا ہوگا گانا بجانا اور لذت پر لگانا ہوگا بکاؤ مذہبی لیڈروں کو ایجنٹ بنانا ہوگا..... اسی کے نتیجہ کے طور پر بھارت اور اسرائیل کے کئی معاہدوں پر دستخط ہوئے کلکتہ کے اخبار ڈیلی ٹیلی گراف مارچ اپریل 1971ء کے مطابق ڈیلی ٹیلی گراف کے نمائندے نے بھی اس کی تصدیق کی ہے لندن کے اخبار ٹائمز کے نامہ نگار پیٹرل ہرل نے بھی اپنی رپورٹنگ کے ذریعے اس کی تصدیق کی ہے بھارت کے معروف اخبار (سنڈے) نے اپنی 27 اپریل 1980ء کی اشاعت میں اسرائیل کے وزیر خارجہ موشے دایان کے اس دورے کی تفصیلات بھی شائع کیں جو بھارت کے اس وقت کے وزیر خارجہ اور آج کے وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی صاحب نے اس وقت اس دورے اور معاہدے کے بارے میں تردید کی تھی۔

اب یہ حقیقت کھل کر سامنے آچکی ہے کہ اسرائیل ہمارے خلاف ہندوستان کو اڈا بنا چکا ہے 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں بھی اسرائیلی یہودیوں نے ہندوستان کی مکمل مدد کی اور پاکستان کو دولخت کرنے میں اہم کردار ادا کیا آپ کو یاد ہوگا 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں مشرقی پاکستان فوج کے کمانڈر جنرل اے کے نیازی کے پاس ہتھیار ڈالنے کی دستاویز لیکر جو جنرل جیکب آیا تھا وہ اسرائیل کا ماہر گوریلا جنرل جیکب بھارت میں "تحفتاً" بھیجا گیا تھا اور اس نے بھارتی جنرل کے روپ میں جنگ لڑی تھی اور ہم سے ہمارا مشرقی بازو چھین کر بنگلہ دیش بنایا گیا یہ عالم اسلام کے لئے افسوسناک ترین سانحہ تھا سقوط بغداد کے بعد یہ سقوط ڈھاکہ ہماری تاریخ کا تاریک ترین باب ہے۔

ہم نچلے طبقے کے مسلمان بڑے بھولے ہیں تاریخ کے اسباق اکثر بھول جاتے ہیں مگر تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دہراتی ہے ہم میں میر جعفر اور میر صادق ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ اب دشمنان اسلام نے ہماری آنکھوں پر ایسے شیشوں والی عینک چڑھا دی ہے جس سے ہمیں صرف وہی کچھ نظر آتا ہے جو وہ ہمیں دکھانا چاہتا ہے جو وہ ہم سے چھپانا چاہتا ہے وہ ہمیں نظر آ ہی نہیں سکتا وہ خوب سمجھتا ہے کہ مسلمانوں کی نوک غیرت کو کس طرح رگڑ کے بیکار کیا جاتا ہے اب اس خطے میں قومیتوں کے پرچار کے ساتھ ساتھ فحاشی عریانی وبے حیائی کا طوفان اڈے چلا رہا ہے اس کے پس پشت اور پس منظر کون کام کر رہا ہے دشمن نے ہمیں اس حد تک دولت ولذت کا خوگر بنا دیا ہے اور ہماری آنکھوں پر احترام آدمیت کو ختم کرنے والے شیشے چڑھا دیئے ہیں ہم انفرادی معاشی دور میں کچھ اس طرح تیزی سے دوڑے جا رہے ہیں کہ ہمیں کسی گرے ہوئے کو اٹھانے کی بھی فرصت نہیں رہی بلکہ اسے اور کچلتے ہیں دشمن کا میٹھا زہر ہمارے رگ وپے میں سرایت کر گیا ہے ہمارا اپنے رہنے کا انداز اپنا نہیں رہا ہم نے بڑے پن کے اچھوتے طریقے دریافت کئے ہیں آج ہمارے نزدیک قابل احترام وہی ہے جس کے پاس زیادہ دولت ہے۔ برا وہ ہے جس کی کار اور کوٹھی نہیں ہے گویا ہمارا معیار دولت ہے ہمارے ناپنے کے پیمانے دوست کے سانچوں میں ڈھل گئے ہیں۔ اور آج انہی پیمانوں کی بناء پر اور ذاتی مفاد واغراض کی بناء پر ہم نے اپنی عزت وغیرت کو نیلام کے چوراہے پر لاکھڑا کیا ہے وہ بھی صرف پانچ ارب ڈالر کے لئے وہ بھی قرض بشرط سود مرکب پہلے 35 ارب ڈالر کے مقروض تھے تو سود ادا نہیں ہو رہا تھا۔

جو قوم اپنی کمزوریوں اور خامیوں کے اعتراف کا حوصلہ رکھتی ہے یقین کیجئے اس میں اپنی اصلاح اور باز آفرینی کی صلاحیت زندہ موجود ہوتی ہے اور ذلت درسوائی تو اس قوم کا مقدر بنتی ہے جو اپنی خامیوں کے اعتراف کرنے کی ہمت نہیں رکھتی اور خود فریبیوں کے وہم گمان میں مبتلا رہتی ہے ہم صدیوں سے ایسی ہی خوش فہمیون میں مبتلا ہیں اس خوش فہمی ہی کہا جائیگا کہ ہم نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل ہوتے دیکھا خاموش رہی اس ملوکیت کے ہاتھوں اللہ کے دین کی ناقابل تقسیم وحدت کو سیاست اور مذہب کی ثنویت میں بٹتے دیکھا خاموش رہے حالانکہ یہ مذہبی فرقوں اور سیاسی پارٹیوں کا شرک عظیم تھا مساوات محمدی والی قوم میں خادم اور مخدوم طبقے پیدا کئے گئے ہر فرقہ خدا کا چہیتا بنتا رہا ہر پارٹی آپ کو عین حق پر سمجھتی رہی اس طرح دوسروں کی تکذیب کرتے کرتے ہم نفرتوں اور گھناؤنے پن کا شکار ہوئے ہم نے شرف انسانیت کے جنازے اٹھائے اللہ نے وعدہ کیا تھا کہ جب تک مومن رہو گے سب سے اعلیٰ رہو گے جب تک اللہ کی فوج بنے رہو گے فتح نصرت تمہارے قدم چومتی رہیگی مگر؟؟؟ ہم..... نہ اعلیٰ رہے نہ ارفع نہ فاتح نہ غالب گزشتہ صدیوں میں ہماری عزت وناموس کے جنازے اٹھے ہماری عظمت کے خزانے سربازار لٹے ہم ذلت ومسکنت کی عمیق گہرایوں اور غلامی ومحکومی کی دلدلوں میں پھنس گئے خدائے ذوالجلال کے قہر وغضب کی بجلیاں ہمارے خرمن حیات پر ٹوٹ ٹوٹ کر گریں لیکن اس کے باوجود ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ خدا کی لاڈلی امت ہم ہی ہیں جنت تو بس ہمارے ہی نام لکھی گئی ہے وہ جنت

جس کی خاطر صحابہ کبار نیزوں کی انیوں پر اور تلواروں کی دھار پر رقص کرتے تھے جس کی خاطر انہوں نے دن کا چین اور راتوں کی نیندیں حرام کرلی تھیں جس کی خاطر وہ کبھی یورپ کے کلیساؤں میں کبھی افریقہ کے تپتے صحراؤں میں گئے لیکن ہم میں نہ اپنی کمزوریوں اور بدبختیوں کے اعتراف کی جرات باقی رہی نہ تلافی مافات کے حوصلے زندہ رہے ہم مردہ قوموں کی صف میں کھڑے ہیں .... ہاں ہاں..... ہم ہیں ظالموں اور فاسقوں کی وہ قوم جو اسلام کی امیدوں کو پورا کرنے میں بے نصیب واقع ہوئی ہے ہم نے اسلام کے حسن و عمل کو ماضی کا افسانہ بنا کر رکھ دیا ہے ہم نمازوں اور واعظوں میں تو زور دیتے ہیں لیکن اس کے نتیجے سے بے بہرہ ہیں ان الصلواۃ تنھا من الفحشاء والمنکر ترجمہ! (بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے) ہم نماز بھی پڑھ لیتے ہیں اور برے کام بھی کرتے ہیں یا ہوتے دیکھ کر مزاحمت نہیں کرتے میزان خداوندی میں ہمارے اس عمل کا کیا وزن ہوگا کچھ بھی تو نہیں؟ لہٰذا ہم اس امر کا کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں کہ ہم ہیں ظالموں کی وہ قوم جس نے اس اسلام کو اپنا رکھا ہے۔ جو قرون اولیٰ والا اسلام نہیں جو نبی کریم کی تعلیمات والا اسلام نہیں ہم اللہ کے اصل دین کو چھوڑ کر ذاتی اغراض کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ہمارا ہر فعل ہمارے لالچ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حکم خداوندی ہے کہ اگر دنیا کے کسی خطے پر بھی مسلمانوں پر ظلم ہو تو باقی دنیا کے مسلمانوں پر جہاد واجب ہی نہیں فرض ہو جاتا ہے آج دنیا کا وہ کونسا کونہ ہے وہ کونسا خطہ ہے جہاں مسلمانوں پر ظلم نہیں ہو رہا مظالم کی فہرست اب اتنی طویل ہو چکی ہے کہ اس کا احاطہ کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے ہمارے مذہب میں قبلہ اول بیت المقدس کی اہمیت کون مسلمان نہیں جانتا وہ یہودیوں کے قبضہ میں ہے مسجد اقصیٰ کی بار بار بے حرمتی اور آتش زنی کے واقعات سے کون مسلمان ناواقف ہے اب یہودی کھلے عام کہتے ہیں کہ ہم اس مسجد کو مسمار کرکے ہیکل سلیمانی بنائیں گے۔ غرناطہ جولان کی پہاڑیاں لبنان کا بیروت عراق کے پیروں پیغمبروں والے دیس اور ہماری تاریخ کے مطابق منبع علوم اسلامیہ بغداد پر آئے روز آگ وبارود کی بارش برسائی جا رہی ہے۔ بوسنیا کوسوو جہاں سے ابھی دھواں نکل رہا ہے افغانستان میں اسلام نافذ کرنے کے جرم میں سازشوں کے بادل منڈلا رہے ہیں کشمیر جنت نظیر میں آزادی مانگنے کے جرم میں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا جا رہا ہے ہندوستان میں آئے روز مسلم کش فسادات ہوتے ہیں حیرت ہے کہ دنیا میں قریباً" چون ممالک یا ریاستیں ایسی ہیں جہاں حاکم مسلمان ہیں مگر انہیں اسلامی حکومتیں نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ طاغوتی طاقتوں کے مہرے بنے ہوئے ہیں سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ یورپ عرب اور حرمین شریفین کے اردگرد کفار کے بتیس فوجی اڈے مستحکم ہو چکے ہیں کیا ہم مسلمان قرآن کو کتاب اللہ نہیں مانتے اللہ کی اس سچی کتاب میں تو جابجا ظلم کے خلاف جہاد کرنے کا حکم ہے۔ سورۃ ہود میں ہے۔ ترجمہ! اور مت جھکو ان کی طرف جو ظلم کرتے ہیں ورنہ آگ میں جلائے جاؤ گے اور پھر کوئی تمہارا حامی ومددگار نہ ہوگا۔ سورۃ شوریٰ کی آیت ارشاد ربانی ولمن انتصر ابعد ظلمہ فاؤلیک علیھم من سبیل ترجمہ! اور جن پر ظلم ہوا ہو بعد میں وہ انتقام لیں تو ان پر کوئی الزام نہیں سورۃ توبہ کی آیت ارشاد ربانی یایھا الذین آمنو قاتلو الذین یلونکم من الکفار ولیجدوفیکم غلظتہ وعلموان اللہ مع المتقین ترجمہ! اے ایمان والو اپنے قرب کے کفار سے قتال کرو اور جتنا ہو سکے ان پر سخت ہو جاؤ اور یہ جان لو کہ حدود اللہ کی حفاظت میں صبر کے ساتھ جان لڑانے والوں کے ساتھ اللہ کی میعت کا وعدہ ہے..... سورۃ انفال کی آیت میں ارشاد ربانی ہے واعدو لھم مااستطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدواللہ وعدوکم ترجمہ! اور مسلمانوں جہاں تک تمہارے بس میں ہے قوت پیدا کرکے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلے کے لئے اپنا سازوسامان مہیا کئے رکھو اس طرح مستعد رہ کر اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھائے رکھو گے۔

سورۃ توبہ کی آیت ارشاد ربانی ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم وامولھم بان لھم الجنتہ ترجمہ! بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنین کی جان ومال جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔ حضرت ابوذرؓ روایت فرماتے ہیں عن ابی ذر قال قلت یا رسول اللہ امہ عمل الفضل قال ایمان باللہ والجہاد فی سبیل اللہ ترجمہ! کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ اعمال میں سے بہتر عمل کونسا ہے تو فرمایا نبی اکرم نے کہ اللہ پر ایمان اور اللہ کی راہ میں جہاد' حضرت ابوداؤدؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا سیاحتہ امتی جہاد فی سبیل اللہ عزوجل ترجمہ! کہ میری امت کی سیاحت یہ ہے کہ وہ اللہ کی خاطر جہاد کیلئے گھروں سے نکلیں گے۔

ہم یا ہمارے حکمران کونسا جہاد کر رہے ہیں ہاں ایک بات ہے کرسی اقتدار کی خاطر آپس میں خوب سر پھٹول کرتے ہیں اقتدار کا خواب اور دولت کی ہوس ہمیشہ انسان کی عقل پر پردہ ڈال کر اسے منافق بناتی ہے۔

ہمارے حکمران سارے حزب اقتدار والے اور حزب اختلاف والے اور وہ طبقہ جس طبقہ سے ہمیشہ ہمارے حکمران بنتے آئے ہیں وہ کلمہ گو مسلمان ضرور ہونگے مگر یہ میری کم علمی ہوگی کہ میں انہیں ویسا مسلمان نہیں مانتا جیسا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان ہوتے ہیں یہ تو صرف اور صرف اپنے اور اپنے طبقے کے مفادات کے نگہبان ہیں انہیں مفاد چاہئے اس کے لئے انہیں کیسا ہی ڈھونگ یا سوانگ کیوں نہ رچانا پڑے۔ اسامہ بن لادن کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کرنا پڑے مجاہدین کی قربانیاں بیچنی پڑیں اگر وہ واقعی مخلص مسلمان ہیں تو انہیں فوری طور پر مکمل نفاذ اسلام کرنا چاہئے اور فرمان رسول کی بازگشت سننی چاہئے کہ اپنے آپ کو جانو۔ اپنے دشمن کو پہچانو۔

توبہ اور اس کی حقیقت

مولانا محمد اکرم اعوان

انما التوبته علی اللّٰہ للذین یعملون السواء بجھالته ثم یتوبون من قریب فاؤلک یتوب اللّٰہ علیھم وکان اللّٰہ علیما حکیما" (النساء-17)

خدا ان ہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو نادانی سے بری حرکت کر بیٹھتے ہیں۔ پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں پر خدا مہربانی کرتا ہے وہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے۔

اللہ کریم نے توبہ کی صورت ارشاد فرمادی کہ اگر کوئی نادانی سے برائی کر بیٹھے اور پھر اس حرکت پر شرمندہ ہو اور فورا" توبہ کرلے تو اللہ کریم ایسے لوگوں کی توبہ قبول کر لیتے ہیں یہاں برائی کا تعلق جہالت سے ارشاد ہوا ہے تو مراد یہ نہ ہوگا کہ گناہ سے واقف نہ تھا ورنہ عملا" ایسا نہ کرتا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ فعل جو اللہ کریم اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہو وہ جہالت ہے خواہ کتنے بڑے دانشور سے صادر ہو۔ حضرت قتادہؒ کی روایت ہے۔

"اجمع اصحاب رسول اللہ ﷺ علی ان کل معصیته جھالته عمدا" کان اولم یکن وکل من عصی اللّٰہ فھو جاھل"

کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر گناہ جہالت ہے خواہ ارادے سے کیا جائے یا غیر ارادی طور پر صادر ہو اور ہر وہ شخص جو اللہ کی نافرمانی کرے جاہل ہے پھر جلدی سے توبہ کرے۔ اب اس جلدی کی حد کیا ہوگی تو اس سے اگلی آیہ کریمہ بتا رہی ہے کہ ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو عمر بھر برائی پر ہی کار بند رہیں اور جب موت آجائے یعنی فرشتہ وغیرہ یا آخرت نظر آنے لگے تو اس وقت توبہ کا خیال آئے اور نہ ایسے لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جن کی موت کفر پہ واقع ہو۔ یعنی عمر بھر کفر ہی پر کاربند رہیں جیسے فرعون کہ وقت غرق پکارا کہ موسیٰ وہارون کے رب پر ایمان لاتا ہوں تو ارشاد ہوا کہ اب ایمان لایا جب وقت گزر چکا اب کیا فائدہ۔ تو اس سے مراد نزع روح یا جسے غرغرہ وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اس سے پہلے کی توبہ شرف قبولیت کو پالے گی۔ بشرطیکہ خلوص دل سے ہو۔ یہاں صاحب تفسیر مظہریؒ نے ایک لطیف بات نقل فرمائی ہے کہ قریب سے مراد دل کی حالت ہے کہ وہ مکمل طور پر تباہ نہ ہو چکا ہو

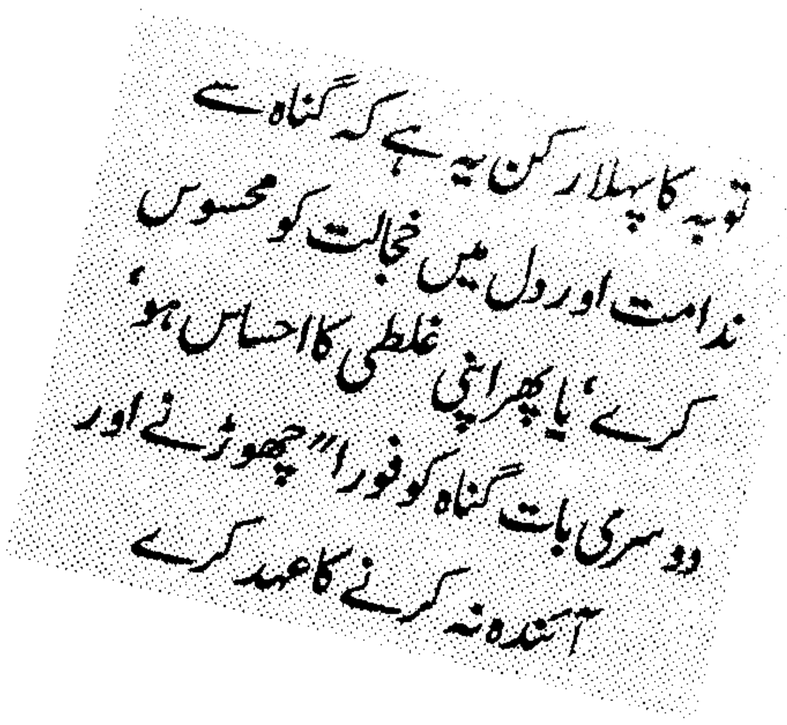

اور اس پر ظلمت نہ چھا گئی ہو۔

القریب قیل ان یحیط السوء بحسناته فحبطھا

قریب سے مراد کہ برائیاں نیکیوں پر چھانہ جائیں اور اعمال ضائع نہ ہو جائیں ورنہ یہ ایک ایسی حالت ہے کہ توبہ کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوتی اور دل پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔ اسی طرح گستاخ کو بھی توفیق توبہ نہیں ملتی۔ جو لوگ مخلص تھے اور اسلام کی حقانیت اور نبی رحمت ﷺ کے اخلاق کریمانہ سے واقف نہ تھے تو مخالف تھے جب بات واضح ہوئی تو تائب ہو کر حلقہ خدام میں داخل ہو گئے انہی میں سے ایک ہیں حضرت خالد بن ولیدؓ۔ اللہ جسے چاہے ہدایت دے دے اور اس کی توبہ قبول فرمالے کہ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے مگر جن لوگوں نے گستاخی کی اور توہین کر کے خوش ہوتے تھے انہیں توبہ کی توفیق بھی نہ ملی اور کفر ہی پہ خاتمہ ہوا یہی حال اہل اللہ سے برتاؤ کا ہے کہ اگر ان سے استفادہ نہ کرے تو بھی ان کی توہین نہ کرے ورنہ دو طرح کے نتائج بھگتنا پڑتے ہیں اول تو یہ یقینی ہے کہ پھر ان سے فائدہ نہیں ہوتا دوم سوء خاتمہ کا اندیشہ بھی ہے۔

توبہ کا پہلا رکن یہ ہے کہ گناہ سے ندامت ہو اور دل میں خجالت کو محسوس کرے یا پھر اپنی غلطی کا احساس ہو۔ دوسری بات کہ گناہ کو فورا" چھوڑ دے اور آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے یعنی آئندہ کیلئے اپنے کردار کی اصلاح اور کردار ہمیشہ نظریات کے تابع ہوتا ہے لہٰذا عقیدہ اور عمل کو ٹھیک کرنے کا نام توبہ ہے۔ جس نے اپنے کردار سے ثابت کیا وہی صحیح توبہ کرنے والا شمار ہوگا۔ اور اللہ کے نزدیک اس کے بندوں میں شمار کر لیا جائے گا۔ نہ صرف ایسی توبہ گناہوں کو معاف کرواتی ہے بلکہ اللہ ایسا کریم ہے کہ سیئات کو حسنات سے بدل دیتا ہے اور گناہوں کے بدلے نیکیاں نصیب ہوتی ہیں تیسری بات یہ ہے کہ جس قدر ممکن ہو تلافی مافات کرے یعنی اگر نماز روزہ چھوٹا ہے تو قضا ادا کرنا شروع کرے جو بھی یاد ہے کسی کا مال ناجائز طریقے سے لیا ہے تو واپس کرے۔ کسی سے زیادتی ہوئی ہے کسی کا مال ناجائز طریقے سے لیا ہے تو واپس کرے۔ کسی سے زیادتی ہوئی ہے معافی مانگے یعنی ممکن حد تک تلافی کی کوشش ضروری ہے صرف زبان سے توبہ توبہ کہنا اور عملی طور پر گناہ میں ملوث رہنا توبہ نہیں بلکہ ایک عام سی بات ہے کہ اس دور کا مرد عورت جیسی شکل بنانا فخر کی بات سمجھنے لگا ہے اور

عجیب بات ہے کہ عورت لباس وغیرہ میں بھی اور بالوں کی تراش خراش میں مرد کی مشابہت کو بہتر سمجھنے لگی ہے حالانکہ دونوں صورتیں عنداللہ ملعون ہیں اور زبان سے شاید توبہ بھی کہتے ہوں توبہ طلب رحمت ہے اور وہ اتنا بڑا رحیم ہے کہ توبہ پر نہ صرف گناہ معاف فرماتا ہے بلکہ خطاؤں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اپنے محبوب بندوں میں داخل فرمالیتا ہے مگر اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ مرد ہو یا عورت کم از کم اپنا حلیہ تو ٹھیک کرے اور ایسے عمل سے رک جائے جس پہ لعنت یعنی رحمت سے دوری کی سزا مرتب ہوتی ہے اگر یہ صورت نصیب ہو تو نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے۔

التائب حبیب اللّٰہ والتائب من الذنب کمن لا ذنب لہ گناہ سے توبہ کرنے والا اللہ کا محبوب ہے اور توبہ کرنے والا ایسا ہو گیا جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔ جو بھی خلوص دل سے اللہ سے اپنی اصلاح کا طالب ہوتا ہے اللہ اسے معاف فرما دیتا ہے توبہ کی توفیق بھی دیتا ہے اور توبہ قبول بھی فرماتا ہے یعنی توبہ کی قبولیت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندہ گزشتہ برائی سے بیزار ہو کر آئندہ عملاً اس سے بچ جاتا ہے اور عملی زندگی میں اس کی اصلاح ہو جاتی ہے یہ کیفیت اللہ کریم سے خلوص دل کے ساتھ معافی طلب کرنے سے نصیب ہوتی ہے۔

اور یہ تو اللہ کریم کی صفت ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے خواہشوں اور آرزوؤں تک سے آگاہ ہے اور اگر کسی نے غرغرہ موت تک توبہ نہیں کی تو یہ شیطان کے اوصاف میں سے ہے پھر جب موت سر پر آگئی آخرت ظاہر ہو گئی تو قبولیت توبہ کا وقت نکل گیا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کبھی گناہ کا ارتکاب نہ ہونا یا فرشتوں کا مقام ہے اور یا پھر انبیاء علیہم السلوۃ والسلام کہ معصوم ہوتے ہیں اور مسلسل گناہ کرنا اور کبھی ندامت نہ ہونا یا ترک گناہ کی طرف نہ آنا یہ شیطان کی صفت ہے اور تیسرا درجہ بنی آدم کا ہے کہ گناہ کا ہو جانا اور اس پر فوراً ندامت کا ہونا آئندہ اسے چھوڑنے کا پختہ عزم اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طلب کرنا ہے۔ اگر مسلسل برائی میں ہی موت نے آلیا تو نہ صرف عذاب ہو گا بلکہ ایسے لوگوں کیلئے دردناک عذاب ہے جو ان کیلئے خاص طور پر تیار کیا گیا ہے اعاذنا اللّٰہ منھا اور گناہ مسلسل پر احساس ندامت کا نہ ہونا شقاوت قلبی کا پتہ دیتا ہے جو دنیا کی زندگی میں ایک بہت بڑا عذاب ہے اور منفی الی الکفر ہے کہ ایمان کا سلب ہو جانا آخری سزا ہے پھر کبھی نجات کی امید نہیں رہتی اور موت کا وقت انسان کے علوم کی رسائی سے باہر ہے اس لئے زندگی میں مسلسل توبہ کی ضرورت ہے کیا خبر کونسی پل آخری پل ثابت ہو۔

بقیہ۔ اسلامی قانون کے ماخذ

ماخوذ ہے لیکن یہ رائے درست نہیں۔ گولڈ تسیہر کہتا ہے کہ امام غزالی کے استاد امام الجوینی (1085ء) نے سب سے پہلے استصسلاح کی حمایت میں قلم اٹھایا مگر امام الجوینی کے رسالہ (اصول المورقات) میں اس کی بحث نظر نہیں آتی ہے۔

ضرورت اساتذہ برائے

صقارہ اکیڈمی دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

اردو۔ آرٹس اور سائنس کیلئے ماسٹر ڈگری یا متعلقہ مضمون کا تجربہ رکھنے والے ریٹائرڈ اساتذہ کی ضرورت ہے

تنخواہ اور دیگر مراعات

الف۔ تنخواہ حکومتی سکیل کے مطابق ب۔ فری سنگل رہائش بمعہ ہاؤس رینٹ

ج۔ اکیڈمی میس میں کھانے کی رعایتی سہولت د۔ ذاتی تربیت کا سنہری موقع

پرنسپل صقارہ اکیڈمی دارالعرفان، منارہ ضلع چکوال۔ فون۔ 0573-587399